# اصلاحی رسائل

مفتی محمد اکمل مدنی

کے تحریر کیے ہوئے
اصلاحی رسائل کا مجموعہ



علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائیل میں فری
حاصل کرنے کے لیئے
ٹیلیگرام چینل لنک
https://t.me/tehqiqat
آرکاریو لنک
https://archive.org/details
/@zohaibhasanattari
بلوگسپوٹ لنک
https://ataunnabi.blogspot
.com/?m=1

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

مفتی محمد اکمل مدنی کے اصلاحِ معاشرہ کے لیے تحریر کیے گئے

8 رسائل کا مجموعہ بنام

# اصلاحی رسائل

مؤلف

## مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر: مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

786

92

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ




نام کتاب — اصلاحی رسائل

مؤلف — مفتی محمد اکمل مدظلہ العالی

صفحات — 248

ہدیہ — [redacted]

اشاعت اوّل — اکتوبر 2007ء

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت

دربار مارکیٹ، لاہور

# پہلے اسے پڑھیے!

زیر نظر مجموعہ ''اصلاحی رسائل'' مفتی محمد اکمل مدنی صاحب کے ان مختلف ''اصلاحی رسائل'' کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں تحریر فرمائے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کے رسائل کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ رسائل کچھ عرصہ ہی قارئین کی توجہات کا مرکز رہتے ہیں اور پھر ادھر اُدھر ہو جاتے ہیں جبکہ جیسے جیسے کتاب بڑی ہوتی جاتی ہے اس کی حفاظت اور استفادے کی طرف طبعیت اکثر اوقات زیادہ متوجہ ہوتی ہے۔ بس اسی کے پیشِ نظر ادارہ ''مکتبہ اعلیٰ حضرت'' نے مفتی صاحب کے رسائل کے مجموعے تیار کرنا شروع کیے تا کہ محفوظ رہ سکیں اس سے پہلے فقہی رسائل کے مجموعے ''ہمارے مسائل اور اُن کا حل'' حصہ اوّل دوئم، سوئم طبع ہو چکے ہیں اب اصلاحی رسائل کا مجموعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اس سلسلے کو جاری رکھا جائے گا۔

نوٹ: اگر کوئی صاحب الگ الگ رسائل زیادہ مقدار میں لیکر تقسیم کرنا چاہیں تو وہ ادارہ سے رابطہ کر سکتا ہے۔

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت

محمد اجمل

12 شوال المکرم 1428ھ

21 اکتوبر 2007ء

# اس مجموعے میں
## مندرجہ ذیل اصلاحی رسائل ہیں



☆..........☆..........☆..........☆..........☆

سرکارِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان عظیم اور اس سے حاصل ہونے والے فیوض و برکات کی تفصیل پر مشتمل ایک فکر انگیز تحریر

# ایمانِ کامل


مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی



ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ لاہور

# عرضِ ناشر

بسا اوقات انسان ایک اچھی بات کو بار بار پڑھتا.. یا.سنتا ہے،لیکن اس کی برکات سے مکمل طور پر فیضیاب نہیں ہو پاتا۔شائد اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اسے اس بات سے اکتسابِ فیض کا صحیح طریقہ معلوم نہیں ہوتا۔اور نہ ہی کسی نے اس کے سامنے اس طریقے کو بیان کیا ہوتا ہے۔

اس رسالے میں پیارے آقا (ﷺ) کی ایک ایسی ہی حدیثِ پاک سے فیوض و برکات سمیٹنے کی ترغیب اور طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ جسے ہم نے اس سے پہلے بھی بارہا سنا ہوگا،لیکن صحیح انداز سے فیضیاب نہ ہونے پائے۔

مطالعہ فرمانے والے مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے درخواست ہے کہ اس رسالے سے محض علمی طور پر ہی مستفید نہ ہوں بلکہ عملی طور پر بھی اس کے فیض کو سمیٹنے کی کوشش فرمائیں۔اگر آپ اس رسالے کو اصلاح معاشرہ کے لئے مفید خیال کرتے ہیں تو دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دلائیے۔اس طرح آپ کے لئے بھی عظیم الشان ثواب جاریہ کا ذریعہ نہایت آسانی سے معرض وجود میں آجائے گا۔

**''ایمانِ کامل''** کو حضرت علامہ مولانا محمد اکمل عطاؔ دامت برکاتھم العالیہ نے اصلاحِ نفسِ مسلمین کی خاطر ایک نئے انداز میں تحریر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے آقا (ﷺ) کے فرامین کے مطالعے کا شوق اور ان سے مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ

محمد اجمل

۶ رجب المرجب ۱۴۲۲ ھ بمطابق 24 ستمبر 2001ء

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیارے آقا، مدنی مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہام کردہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونا، لاریب دنیا وآخرت کی تمام تر بھلائیاں سمیٹنے کا سببِ عظیم ہے۔

اور جن تعلیمات میں اس قدر فیوض و برکات پوشیدہ ہوں تو یقیناً ان پر خوش دلی و استقامت سے صرف وہی عمل پیرا ہوسکتا ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر کرم فرمانا چاہے... مقامِ افسوس ہے کہ اس انمول نعمت کو حاصل کرنے کے باوجود ہمارے مسلمان بھائیوں کی اکثریت نفس وشیطان کے بہکائے میں آکر عمل سے جان بچاتی نظر آتی ہے۔

یوں تو حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر ایک نصیحت ووصیت اپنے اندر فیوض و برکات کا ایک وسیع خزانہ سمیٹے ہوئے ہے، لیکن بعض ارشادات ایسے بھی ہیں کہ جن پر عمل کی برکت سے نہ صرف عامل کے لئے کامیابیوں اور سعادتوں کے دروازے کھل سکتے ہیں، بلکہ ہمارا موجودہ بگڑا ہوا معاشرہ بھی ایک مثالی ترین معاشرے میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ نیز گھر گھر میں سکون وامن وچین کی بہاریں نظر آسکتی ہیں اور نفرتوں اور کدورتوں کا خاتمہ ہوکر ہر طرف محبت والفت و بھائی چارے کی مہکی مہکی فضاء بھی قائم ہوسکتی ہے۔

ان ہی فرامین میں سے ایک فرمان بیان کرتے ہوئے حضرت معاذ

بن جبل (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں،

''میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تو لوگوں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لئے وہی ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔''

(مسند امام احمد بن حنبل)

سبحان اللہ عزوجل! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارے پیارے آقا (ﷺ) نے کس خوبی کے ساتھ صرف ایک جملے میں بے شمار برائیوں کا علاج بیان فرما دیا ۔اب ضرورت اس بات کی ہے کہ طبیبِ اعظم (ﷺ) کے اس عظیم ترین نسخے پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کی سعادت اور اس کے بدلے میں ملنے والے اخروی ودائمی انعامات کے لئے سعی احسن کی جائے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ نسخہ کس طرح معاشرے میں سرائیت کردہ برائیوں کے مرض کے لئے مرہمِ لاجواب ثابت ہوسکتا ہے....اس کے لئے ہمیں اپنے اطراف میں رہنے والے عام مسلمانوں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا فرداً فرداً جائزہ لینا مناسب رہے گا۔

## عام مسلمانوں کے لئے:۔

ہر مسلمان بھائی اپنے ہر قول وفعل سے پہلے اس حدیث پاک کو ''نیتِ

عمل کے ساتھ" بطورِ رہنما سامنے رکھے تو ان شاء اللہ عزوجل مذکورہ فائدہ ضرور حاصل ہوگا۔ مثلاً

کسی کی غیبت، چغلی کرنے کا ارادہ ہوا، تو غور کرے کہ اگر کوئی مسلمان میری غیبت و چغلی کرے تو کیا میرا دل تکلیف محسوس نہ کرے گا..اور..

کیا میں اپنے لئے اس قلبی تکلیف رنج و تکلیف و اذیت کو پسند کرتا ہوں؟.....

یقیناً جواب نہ میں ہی ہوگا۔ بس فوراً اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہے کہ پھر میں اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس تکلیف و رنج کو کیسے پسند کر سکتا ہوں.....پس میں اپنے ایمان کو کامل ترین کرنے کے لئے زبان کو ان گناہوں سے محفوظ رکھوں گا۔

اسی سوچِ پاکیزہ کے سبب تکبر، غرور، حسد، الزام تراشی، زناء، لواطت، برے ناموں سے پکارنے، سب کے سامنے مذاق اڑانے، مارنے پیٹنے ظلم کرنے، امانت دبا لینے، چوری کرنے، ڈاکہ ڈالنے، دہشت گردی کرنے، مال وغیرہ غصب کرنے...اور...دیگر کئی گناہوں سے بچا جا سکتا ہے۔

ہمارے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس طرح ایک نوجوان کی اصلاح کا مشہور واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

مروی ہے کہ ایک نوجوان نے بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلال میں آ گئے اور اسے مارنا چاہا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسے مت مارو۔ پھر اسے پاس بلا کر بٹھایا اور نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا، ''اے نوجوان مرد! کیا تجھے پسند ہے کہ کوئی شخص تیری ماں کے ساتھ ایسا فعل کرے؟'' اس نے کہا، ''نہیں ! میں اس کو کس طرح روا رکھ سکتا ہوں؟'' آپ نے ارشاد فرمایا پھر دوسرے لوگ تیرے بارے میں اس کو کس طرح روا رکھ سکتے ہیں؟'' پھر آپ نے دریافت کیا، ''تیری بیٹی سے اگر ایسا کریں تو تُو اس کو پسند کرے گا؟'' کہا، ''نہیں'' آپ نے فرمایا کہ تیری بہن سے اگر کوئی ایسی ناشائستہ حرکت کرے یا پھوپھی خالہ سے؟''

اسی طرح آپ نے ایک ایک رشتہ کے بارے میں سوال فرمایا اور وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے پسند نہیں اور دیگر لوگ بھی میرے اس فعل سے راضی نہ ہوں گے۔تب حضور اکرم ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ ''یا الٰہی ! اس کے دل کو پاک فرما دے اور اس کی شرم گاہ کو بچا لے اور اس کا گناہ بخش دے۔'' آپ کی دعا کی برکت سے، اس واقعے کے بعد وہ نوجوان تمام عمر زنا سے بیزار رہا۔ (کیمیائے سعادت)

ہمارے اسلاف ، کے درجِ ذیل واقعات میں بھی اسی فرمان

عالیشان پر عمل پیرا ہونے کی ایک جھلک بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

☆ ''حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جنگ تبوک میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ میں اپنے چچا زاد بھائی کو تلاش کرتا ہوا، اس کے پاس پہنچا تو وہ بالکل مرنے کے قریب تھے۔ میں نے پانی پینے کے لئے پوچھا تو کہا کہ پیوں گا، لیکن پھر ایک دوسرے زخمی مسلمان کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے اس کو پلاؤ۔

میں اس زخمی سپاہی کے پاس پہنچا تو ہشام ابن عاص (رضی اللہ عنہ) تھے۔ میں نے کہا پانی پی لو، لیکن انہوں نے میرے بھائی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے انہیں پلاؤ۔ میں اپنے بھائی کے پاس واپس آیا تو دیکھا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں جلدی سے ہشام (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ (احیاء العلوم)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) کو کسی شخص نے ایک بکری کی سری ہدیہ میں بھیجی۔ ان صحابی (رضی اللہ عنہ) نے سوچا کہ میرا فلاں ساتھی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے اور اس کا کنبہ بھی بڑا ہے، چنانچہ آپ نے وہ سری اس کو ہدیہ کر دی۔ س دوسرے ساتھی نے اپنے تیسرے ساتھی کے متعلق یہی باتیں سوچیں اور یہ سری اپنے تیسرے ساتھی کو تحفۃً بھجوا دی۔

غرض یہ کہ اسی طرح سات گھروں میں گھوم کر وہ سری سب سے پہلے

والے صحابی (رضی اللہ عنہ) کے پاس لوٹ آئی۔ (احیاء العلوم)

☆ حضرت ابوالحسن انطا کی (رحمہ اللہ) کے پاس ایک مرتبہ تیس سے زیادہ مرید حاضر ہوئے۔ اس قدر کھانا موجود نہ تھا کہ جو سب کے لئے کافی ہوتا، صرف چند روٹیاں موجود تھیں۔ چنانچہ ان روٹیوں کے ٹکڑے کر کے دستر خوان پر رکھ لئے گئے اور چراغ بجھا دیا گیا۔ تمام افراد دستر خوان پر کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔

جب فارغ ہوئے اور چراغ جلایا گیا تو روٹیوں کے ٹکڑے اسی طرح دستر خوان پر موجود تھے، یعنی ہر شخص نے ایثار کی نیت سے خود کچھ بھی نہ کھایا تا کہ دوسرا ساتھی کھا لے۔ (احیاء العلوم)

☆ مروی ہے کہ ایک بزرگ کے گھر میں بہت چوہے ہو گئے۔ کسی نے کہا حضور! اگر گھر میں ایک بلی رکھ لیں تو یہ سارے بھاگ جائیں اور بہت جلد آپ کو نجات مل جائے گی۔" بزرگ نے ارشاد فرمایا، "بھائی! یقیناً میری بلی کی آواز سے یہ چوہے یہاں سے بھاگ کر ہمسایوں کے گھروں میں چلے جائیں گے، تو اس طرح میں ان لوگوں کی فہرست میں داخل ہو جاؤں گا کہ جو چیز اپنے لئے ناپسند کی وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کر لی......اور میں ایسا بننا پسند نہیں کرتا۔" (ایضاً)

## تجارت کرنے والوں کے لئے:۔

عموماً تجار حضرات عیب ناک چیزوں کو عمدہ و اعلیٰ بتانے..اور..جھوٹ بول کر اپنا مال بیچنے میں مہارت رکھتے ہیں....فی زمانہ نہ صرف اسے جائز سمجھا

جاتا ہے، بلکہ اس طریقے سے تجارت کا مرتکب ،اسے اپنا کمال سمجھتا ہے۔حالانکہ یہ دونوں چیزیں حرام اوراخروی عذاب کا سبب ہیں۔شریعت اس بات کو ہرگز گوارانہیں فرماتی کہ ایک مسلمان اپنے نفع کے لئے دوسرے مسلمان بھائی کونقصان کاشکار کروادے۔

لھذا ہرتاجرکو چاہیئے کہ سودا بیچتے اوراپنے مال کی صفات بیان کرتے ہوئے مذکورہ حدیث کوسامنے رکھےاورسوچے کہ

''اگرکوئی میرے سامنےخراب مال کی جھوٹی تعریف کرکے بیچنے میں کامیابی حاصل کرلیتااورگھر آکراس کارنامے کی خبرہوتی تو مجھے کس قدرغصہ آتا....میرے گھروالےاس نقصان دہ سودے پر مجھے کتنی لعنت ملامت کرتے اورمیں اسے اپنے لئے کس قدرناپسند کرتا....تو پھرمیں اپنے اس گاہک مسلمان بھائی کواذیت میں مبتلاء کیوں کروں؟....''

''جب یہ چیز میں اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں،تو اس کے لئے بھی بری محسوس کیوں نہ کروں؟....اور ...جس طرح میں پسند کرتا ہوں کہ مجھے صاف ستھرا،عمدہ وخالص مال دیا جائے..یا..اگرکوئی عیب ہوتو بیان کرکے قیمت میں کچھ کمی کی جائے،تو یہی چیز میں اپنے اس سامنے والےمسلمان بھائی کے لئے کیوں نہ چاہوں؟............''

پس اگر ہرتاجراس پر عامل ہوجائے تو ان شاءاللہ عزوجل ہمارا ہر

بازار، اسلافِ کرام کے دور کے بازاروں کا منظر پیش کرے گا۔

مروی ہے کہ ایک بزرگ درزی کا کام کیا کرتے تھے۔ایک شخص جب بھی ان سے کوئی کام کرواتا تو بطورِ اجرت کھوٹے سکے دیتا، حضرت خاموشی کے ساتھ وہ سکے لے کر رکھ لیتے۔ایک دن آپ دکان پر موجود نہ تھے، وہی شخص کپڑے لینے آیا تو حسبِ عادت کھوٹے سکے دینے کی کوشش کی۔نوکر نے پہچان کر لینے سے انکار کر دیا۔جب حضرت تشریف لائے تو اس نے تمام ماجرا سنایا۔حضرت نے فرمایا، ''تمہیں لے لینے چاہیئے تھے، جیسا کہ میں ایک طویل عرصے سے جان بوجھ کر یہ سکے لے لیتا ہوں، کیونکہ اگر میں یہ سکے وصول نہ کروں تو یقیناً یہ شخص انھیں کسی اور کو دینے کی کوشش کرے گا اور اس طرح میرے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان بھائی نقصان کا شکار ہو جائے گا، اور میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ خود تو نقصان سے بچ جاؤں اور میرا مسلمان بھائی نقصان کا شکار ہو جائے۔'' (کیمیائے سعادت)

## خریدنے والوں کے لئے:۔

بسا اوقات قیمت میں کمی کروانے کے لئے گاہک جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے دکاندار سے کہتا ہے کہ جی! آپ تو یہ چیز بڑی مہنگی بیچ رہے ہیں حالانکہ میں نے ابھی فلاں دکان سے معلوم کی تھی وہ تو اتنے میں دے رہا تھا۔''...اگر بغیر جھوٹ بولے قیمت کم کروائی جاتی تو اسلافِ کرام کی سنت پر عمل پیرا

ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ،لیکن اس طرح جھوٹ بول کر دکاندار کو قیمت میں کمی کرنے پر مجبور کرنا حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔اس قسم کی جھوٹی بات بیان کرتے ہوئے خریدنے والے کوغور کرنا چاہیئے کہ اگر دکاندار کی جگہ میں خود ہوتا اور کوئی گاہک مجھ سے اسی طرح جھوٹ بول کر قیمت کم کرواتا تو کیا میں اسے اپنے لئے پسند کرتا؟....

بسا اوقات دکاندار سودا دے کر پیسے لینا بھول جاتا ہے۔مادی اشیاء کی محبت میں گرفتار ہوکر اخروی گرفت کو بھول جانے والا مسلمان اسے اپنے لئے بہت بڑی کامیابی تصور کرتا ہےاور چپ چاپ وہاں سے نکل جانے میں عافیت محسوس کرتا ہے،کاش! یہاں بھی یہی سوچتا کہ اگر میں دکاندار ہونے کی صورت میں اس بھول کا مرتکب ہوجاتا تو اپنے گاہک سے کس قسم کا طرزِ عمل اختیار کرنے کو پسندیدہ سمجھتا......

اکثر مسلمان بھائیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کی صورت میں مالکِ چیز سے اجازت لئے بغیر مختلف اشیاء اٹھا کر کھانا شروع کردیتے ہیں۔ یہ خلافِ شرع عمل ہے، کیونکہ دکاندار کے دل آزاری اور قلبی پریشانی کا سبب بنتا ہے،لھذا یہاں بھی اپنے آپ کو سمجھانا چاہیئے کہ جب میں دکاندار ہونے کی صورت میں اسے اپنے لئے پسند نہ کرتا تو اپنے اس مسلمان بھائی کے لئے کیوں پسند کروں؟......

## تحفہ وہدیہ دینے والوں کے لئے:۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر ہمارے پاس دو چیزیں ہوں اور ہم ان میں سے ایک کسی مسلمان بھائی کو تحفہ دینا چاہیں تو تحفے کے انتخاب کے لئے اپنے نفس سے مشورہ کرتے ہیں۔ نفس اپنی فطرت کے مطابق حکم جاری کرتا ہے کہ اچھی اپنے پاس رکھ دوسری سامنے والے کو دے دے۔'' اس حکم کے جاری ہوتے ہی انسان بلا سوچے سمجھے عمل پیرا ہو کر ایک سنت پر عمل کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ

مروی ہے کہ ایک مرتبہ رحمتِ کونین (ﷺ) اپنے کسی صحابی کے ساتھ جنگل کی جانب تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ایک درخت سے دو مسواکیں توڑیں۔ جن میں سے ایک سیدھی اور دوسری کچھ ٹیڑھی تھی۔ آپ نے ٹیڑھی مسواک اپنے پاس رکھ لی، جب کہ سیدھی والی صحابی کو عنایت فرما دی۔ ان صحابی نے عرض کی، ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ نے سیدھی مسواک اپنے پاس کیوں نہ رکھ لی، مجھے ٹیڑھی دے دی ہوتی؟'' منصفِ اعظم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ''جو کسی کے ساتھ ایک گھڑی بھی صحبت اختیار کرے تو بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ اس سے سوال فرمائے گا کہ تو نے اس کا حق صحبت ادا کیا ..یا..ضائع کر دیا۔'' (کیمیائے سعادت)

سبحان اللہ! آپ نے دیکھا کہ پیارے آقا (ﷺ) نے تعلیمِ امت

کے لئے کس طرح طبیعت کو پسند آنے والی سیدھی مسواک اپنے جاں نثار صحابی کو عطا فرمادی..اور.. یوں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے بھی اس معاملے میں ثواب کا راستہ واضح فرمادیا۔

پس ہونا یہ چاہیئے کہ اگر کسی مسلمان بھائی کے پاس دو پین ہوں، اور وہ ان میں سے ایک کسی کو دینا ہی چاہے تو وہ پین دے جو اسے محبوب ہے، یونہی دو کتابوں میں سے بہتر کتاب، دو قسم کے عطروں میں سے اچھا عطر، دو لباسوں میں سے عمدہ لباس....غرض ہر دو قسم کی چیزوں میں سے اعلیٰ چیز دوسرے کو دینی چاہیئے۔ کیونکہ دوسرے سے تحفہ وصول کرتے ہوئے یقیناً اپنے لئے اسی تقسیم کو پسند کیا جائے گا، لھذا دوسروں کے لئے بھی اسی کو محبوب رکھنا چاہیئے۔

## پڑوسیوں کے لئے:۔

رحمتِ عالم (ﷺ) کا فرمانِ عالیشان ہے کہ جبرئیل مجھے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کے بارے میں اتنی کثرت سے تاکید فرماتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شائد انھیں وراثت میں حق دار ٹھہرادیا جائے گا۔'' (مسلم)

مندرجہ بالا حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ

شریعت کو پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں بہت سخت احتیاط مطلوب ہے۔لھذا ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنے ہمسائے کے بارے میں زیرِ بحث حدیثِ پاک سے ''عام مسلمانوں کے مقابلے میں'' زیادہ رہنمائی حاصل

کرے۔... چنانچہ

غور کرے کہ کیا مجھے یہ پسند ہوگا کہ کوئی میرے گھر کے سامنے اپنا کچرا ڈال دے؟...جب جواب نہیں میں ملے تو دوسروں کے لئے بھی یہی پسند کرے تاکہ ایمان، کامل کرنے میں مدد ملے۔...

یونہی اگر کوئی غریب محلے دار، چائے، دودھ، پانی وغیرہ روزمرہ کے استعمال کی ضروری چیزیں ..یا..اس کے علاوہ اور کسی معاملے میں مدد طلب کرے اور یہ شخص اس کی مدد کرنے پر قادر بھی ہو تو نفس کی خواہش پر اسے مایوس کرنے سے پہلے غور کرے کہ اگر میں غریب وضرورت مند ہو کر اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا تو اس کی طرف سے کون سا طرزِ عمل میرے لئے پسندیدگی کا باعث بنتا؟..پس اسی طرزِ عمل کو اپنے اس محلے دار کے لئے بھی اختیار کرے۔

یونہی چھتوں پر چڑھ کر دائیں بائیں جھانکنے کے بارے میں سوچے کہ اگر کوئی اسی طرح میرے گھر میں جھانک کر گھر کی خواتین کے لئے پریشانی کا باعث بن رہا ہوتا تو کیا میں اس کی اس حرکت کو پسند کرتا؟.....

پڑوسی کے گھر میں لگے ہوئے پھل کے درخت سے پھل توڑتے ہوئے بھی یہی غور تفکر کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔

یونہی محلے میں رہنے والی مسلمان بہنوں پر آوازیں کسنے ..یا..ان کو

دیگر طریقوں سے تنگ کرنے کے بارے میں بھی سوچا جائے کہ اگر کوئی میری بہن .. یا.. بیٹی.. یا.. بھابھی وغیرہ کے ساتھ یہی حرکت کرے تو کیا میں اسے پسند کروں گا؟......پس ان تمام امور میں اپنے پیارے آقا (ﷺ) کے فرمانِ عالیشان کے تقاضے کے مطابق عمل کی سعادت حاصل کرے۔

## افسران بالا وصاحب منصب ووجاہت حضرات کے لئے:۔

انھیں بھی اپنے ماتحت حضرات کو سب کے سامنے ذلیل کرتے .. یا.. معمولی وجوہات کی بناء پر نفسانی انتقام کی خاطر نوکری سے نکالتے .. یا.. معمولی اغلاط پر ضرورت سے زیادہ ڈانٹتے.. اور.. کسی دوسری بات کا غصہ ان پر نکالتے ہوئے غور کرنا چاہیئے کہ کیا میں اپنے لئے یہ سب کچھ پسند کرتا ہوں؟........

اگر جواب نہیں ہو تو حدیث پر عمل کی سعادت ضرور حاصل کرنی چاہیئے۔

## پیدل چلنے والوں کے لئے:۔

بسا اوقات پیدل چلنے والے حضرات کو کار یا اسکوٹر سوار حضرات کی وجہ سے روڈ وغیرہ کراس کرنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے.. اور.. کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ان کے ہارن کی آواز سماعت پر شدید ناگوار اثرات مرتب کرتی ہے۔ نتیجۃً پیدل چلنے والوں کی زبان پر ان لوگوں کے لئے نازیبا کلمات جاری

ہو جاتے ہیں۔ایسے پیدل چلنے والے مسلمان بھائیوں کو بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر میں سوار ہوتا اور کوئی پیدل چلنے والا میرے لئے ان کلمات کو ادا کرتا تو کیا مجھے برا محسوس نہ ہوتا؟.....تو جو چیز میں اپنے لئے پسند نہیں کر رہا وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے کیوں پسند کروں؟.....

## سوار حضرات کے لئے:۔

سوار حضرات کو بھی بسا اوقات پیدل چلنے والوں پر شدید غصہ آجاتا ہے،خصوصا جب کوئی پیدل چلنے والا اچانک سامنے آجائے اور انھیں ایمر جنسی بریک لگانے پڑ جائیں۔اس وقت قوتِ برداشت کی کمی کے باعث ان کی زبان بھی سامنے آجانے والے کے لئے ناشائستہ الفاظ ادا کرنا شروع کر دیتی ہے۔کاش!یہ بھی سوچتے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سواری سے محروم رکھ کر اسی طرح کسی کار سوار کے سامنے باعثِ دقت بننے کا ذریعہ بناتا اور میری طرح وہ کار سوار بھی عزتِ نفس کو مجروح کرنے والی باتیں سناتا تو میری کتنی دل آزاری ہوتی؟....تو جس طرح ان الفاظ کی ادائیگی کو میں اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں تو اپنے مسلمان بھائی کے لئے کیوں پسند کروں؟.....

## مالدار حضرات کے لئے:۔

پیسے کی موجودگی اکثر دل میں غرور وتکبر کی زیادتی کا سبب بن جاتی ہے،اکثر مال دار حضرات محلے میں رہنے والے..اور..اپنے رشتہ داروں میں

موجود، غریب حضرات سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں، ان سے میل ملاقات کو پسند نہیں کیا جاتا، گھر میں ہونے والی تقریبات میں بھی فقط اپنے ہم پلہ حضرات کو بلانا پسند کیا جاتا ہے۔اگر کوئی ایسا غریب کسی ضرورت کے سبب دستِ سوال دراز کرے تو اسے سختی سے جھڑک دیا جاتا ہے..اور..اگر کبھی مدد کر بھی دیں تو بار بار احسان جتا کر دل آزاری کی کوششِ مکروہ میں مشغول ہو جایا جاتا ہے۔

ایسے حضرات کو بھی اپنے طرزِ عمل میں مثبت تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مندرجہ بالا حدیثِ پاک کو ہمہ وقت ذہن میں رکھنا چاہیئے اور جو عمل اپنی ذات کے لئے ناپسند محسوس ہو اسے غریبوں کے لئے بھی ناپسند کرتے رہنا چاہیئے۔

## علماء کے لئے :۔

اگر اللہ عزوجل کی رحمت شاملِ حال نہ ہو تو علم بھی انسان کو متکبر بنا دیتا ہے۔جس کی علامات اپنے گھر والوں اور دیگر عوام الناس کی بات بات پر تذلیل..اور..معمولی باتوں پر غصے کے اظہار کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔

ایسے صاحبِ علم حضرات کو بھی چاہیئے کہ جب بھی کسی عام آدمی کو اس کی کم علمی کے باعث ڈانٹنے، جھڑکنے اور بے عزت کرنے کا خیال آئے تو اتنا غور ضرور کر لیں کہ اگر ان کی جگہ میں اور میری جگہ یہ ہوتے، تو اس وقت میری کیفیات کیا ہوتیں؟...اور کیا میں ان کیفیات کو اپنے لئے پسند کرتا؟.......پس

اس سوال کے جواب میں ضمیر سے اٹھنے والی آواز کو بغور سن کر حدیثِ کریمہ پر عمل کی سعادت حاصل فرمائیں۔

## مریدین کے لئے:۔

ہر باعمل اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بیعت کروانے والے شیخ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے مرید اس کی نصیحتوں پر خوش دلی کے ساتھ عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کی سعادت حاصل کرلیں۔ بسا اوقات مریدین کے نفس پر، شیخ کی یہ خواہش بے حد گراں گزرتی ہے۔ کیونکہ اس خواہش کی تکمیل کا مطلب نفس سے رشتۂ دوستی منقطع کر لینا ہے، اور یقیناً یہ عمل شدید تکلیف اور مسلسل آزمائش کا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مریدین حضرات، پیر کی نصیحتوں کی ایسی تاویلیں کرتے نظر آتے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمل کرنا کوئی ضروری نہیں۔ کریں تو بہتر ہے اور نہ کیا تب بھی حرج نہیں۔

ان کا یہ عمل حساس دل رکھنے والے شیخ کے لئے بہت زیادہ دل آزاری کا سبب بنتا ہے۔ لھذا ہر مرید کو چاہیئے کہ جب بھی پیر کی جانب سے کوئی نصیحت سنت تو عمل سے پہلے ہی غور کر لے کہ بالفرض اگر میں بھی کوئی پیر ہوتا اور یہی نصیحت اپنے کسی مرید کو کرتا اور وہ میری طرح کوئی تاویل کر کے عمل پیرا ہونے سے بھاگنے کی کوشش کرتا تو کیا مجھے اس کی یہ حرکت اچھی محسوس

ہوتی؟......یقیناً نہیں....تو پس میں بھی اپنے پیر کے لئے اس بات کو پسند نہیں کروں گا۔

## مساجد کی کمیٹیوں سے وابستہ حضرات کے لئے:۔

اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ مساجد کی کمیٹی سے وابستہ حضرات امام وخطیب ومؤذن کو نہایت حقیر وکم تر تصور کرتے ہوئے بات بات پر ڈانٹتے اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے لہجے کو حاکمانہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔شائد اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ حضرات انھیں مسجد کا خادم نہیں بلکہ اپنا نوکر تصور کرتے ہیں۔

کاش! یہ بھی غور کر لیتے کہ ''لوگوں کی جیب سے نکلوائے گئے چندے کے پیسے'' کو بطورِ تنخواہ دے کر اسے اپنا کمال واحسان تصور کرنا اور اس کے بدلے میں منبرِ رسول (ﷺ) کے مستحق ..یا..لوگوں کو نماز کی طرف بلانے والے شخص کو بات بات پر ذلیل کرنا..یا..مسجد سے نکالنے کی دھمکی دینا کس قدر برے افعال ہیں۔کیا یہ خود اس بات کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں؟...

اگر نہیں تو انھیں چاہیئے کہ بروزِ قیامت ،اللہ عزوجل کی سخت گرفت سے بچنے کے لئے امام وخطیب ومؤذن کے ساتھ بھی بہتر سلوک روا رکھیں۔

## بس وویگن میں سفر کرنے والوں کے لئے:۔

بس وویگن کے ڈرائیور وکنڈیکٹر عموماً بطورِ نوکر کام کرتے ہیں۔شام

تک انھیں ایک مخصوص رقم بس وویگن کے مالک ..اور..کچھ پیسہ اپنے بیوی بچوں اور دیگر ضروریات کے لئے جمع کرنا لازم ہوتا ہے۔اسی وجہ سے یہ ہر جگہ سے سواریاں اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔بسا اوقات کسی اسٹاپ پر طویل وقت ٹھہرنا بھی پڑتا ہے۔

لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ سواریاں ان کے اسٹاپ کے علاوہ کسی سواری کو اٹھانے ..یا..کسی جگہ سواری کے انتظار میں طویل وقت ٹھہرنے کی بناء پر جلی کٹی سناتی ہوئی نظر آتی ہے، بلکہ بعض اوقات تو مار پیٹ تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔یقیناً یہ باتیں ان کے لئے رنج وتکلیف کا سبب بنتی ہوں گی۔بعض اوقات تو ڈرائیور وغیرہ بھی جواب میں ٹھیک ٹھاک سنا دیتے ہیں، لیکن یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ خاموشی سے سب کچھ سن لیا جاتا ہے۔

اسٹاپ کے علاوہ سواری اٹھانے پر ناراض ہونے والے سوچیں کہ اگر آپ خود کسی وجہ سے اسٹاپ سے دور کھڑیں ہوں اور گزرنے والے کسی ویگن وبس کو ہاتھ دے کر روکیں اور جواب میں وہ نہ روکے تو کتنا غصہ آئے گا؟.....اور اگر وہ روک لے تو کیا اب آپ اس بس ویگن والے کو غیر اسٹاپ پر رک جانے کے باعث ڈانٹیں گے..یا..اس کا شکریہ ادا کریں گے؟.....بلکہ اگر آپ کے لئے اس صورت میں بس روکنے والے کو کوئی برا بھلا کہے تو کیا آپ کو

برا محسوس نہ ہوگا؟.....

بس جو جو باتیں اپنے لئے پسند.. یا..ناپسند محسوس ہوں، وہی دوسروں کے لئے بھی پسند.. یا..ناپسند فرمائیں۔

اسی طرح بار بار.. یا.. کسی اسٹاپ پر زیادہ دیر ویگن وبس روکنے والے پر غم وغصہ کا اظہار کرنے والے غور فرمائیں کہ اگر آپ ان کی جگہ ہوتے..ان کی سی مجبوریاں آپ کے ساتھ بھی ہوتیں، اور پھر آپ کو بھی کوئی اسی طرح برا بھلا کہتا تو کیا آپ کو یہ باتیں اچھی لگتیں؟......تو پس اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی ان باتوں کو ناپسند رکھنا چاہیئے۔

## محترم مسلمان بھائیو اور بہنو!

ابھی بے شمار مثالیں ایسی ہیں کہ جنھیں اس رسالے کی زینت بنایا جا سکتا تھا، لیکن رسالے کا حجم اس بات کی اجازت دینے سے قاصر ہے۔امید ہے کہ مطالعہ فرمانے والے تمام قارئین ان امثلہ اور محاسبے وغور وتفکر کے عمل کو ذہن میں محفوظ رکھنے کی برکت سے ہر قسم کے معاملے میں اپنے لئے بہتری کی صورت نکال سکتے ہیں۔مثلاً

بھائی، بہن، ماں، باپ، اولاد، شوہر، بیوی، ساس، بہو، داماد و نند، استاد وشاگرد وغیرہ میں سے ہر ایک دوسرے سے معاملات کی اصلاح کے سلسلے میں اسی حدیثِ پاک کو سامنے رکھے تو بہت زیادہ بہتری کی امید ہے۔

نیز یہ بھی امیدِ واثق ہے کہ یہاں تک بیان سے آپ نے بھی تسلیم کرلیا ہوگا کہ واقعی ہمارے معاشرے کی اصلاح کے لئے مذکورہ ایک حدیث پاک ہی کافی ہے۔

اس حدیثِ پاک کے تقاضے پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کے لئے بہتر ہے کہ ہم پہلے روزانہ کم از کم ایک بات میں دوسروں کی پسند.. یا..ناپسند کو اپنی پسند وناپسند پر فوقیت دینے کی عادت ڈالیں۔ پھر کچھ عرصے بعد دو باتوں میں، پھر تین میں، پھر چار میں اور پھر اسی طرح آہستہ آہستہ تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے ہر معاملے میں اس سنت کے ذریعے ''دیانت دارانہ محاسبہ کرتے ہوئے'' اپنے ایمان کو کامل ترین کرتے چلے جائیں۔

اس کی برکت سے جہاں مذکورہ فائدے حاصل ہوں گے وہیں درجِ ذیل آیتِ کریمہ سے بھی فیضیاب ہونے کا بخوبی موقع میسر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ''**قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ**۔ اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا''

﴿ترجمہ کنزالایمان پ۳۔ اٰل عمران ۳۱﴾

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین

غافل مسلمانوں کے دل ہلادینے والی ایک بے حد اہم تحریر

# ایمان کی موت

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ لاہور

# پہلے پڑھیے

بحیثیتِ مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ ہمیں ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہے اور پھر برزخی زندگی کے اختتام پر، دنیاوی زندگی کا حساب وکتاب دینے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں حاضر کیا جانا ہے۔ یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ سے ''پروانۂ نجات''، ان ہی خوش قسمتوں کو عطا کیا جائے گا کہ جو دنیا میں نفس و شیطان پر غلبہ حاصل کر کے اطاعتِ رسول ﷺ کی دولتِ عظیمہ میں سے وافر حصہ حاصل کر چکے تھے، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں گرفتار افراد کے لئے پروانۂ ہلاکت ہو گا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ '' جنھوں نے اپنے مذھب کی تعلیمات واحکامات کو نگاہِ حقارت سے دیکھا، ان کا مذاق اڑایا، ہدایت سے منہ موڑا، اللہ عزوجل اور اس کے محبوب ﷺ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی، دین داروں سے بیزاریت کا اظہار کیا اور ''نفس و شیطان کی اطاعت اور دنیا کے ساتھ چلنے کو لازم جانا۔''

''پروانۂ ہلاکت'' کے حصول میں بہت بڑا کردار ''ان فحش مناظر'' کا بھی ہو گا کہ جنھیں مسلمانوں نے دنیا میں ''دلچسپی و مسرت'' کے ساتھ دیکھا اور ان کے اخروی انجام کی پرواہ نہ کی۔ ان مناظر کی وجہ سے ہمارے مسلم معاشرے کا جو حشر ہوا، وہ سب کے سامنے ہے اور جو ہونے والا ہے اس کا اندازہ کرنا کم از کم ذی شعور مسلمانوں کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں۔

لھذا ''معاشرے کی اصلاح'' اور ''آخرت کی فلاح و کامرانی'' کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ '' مسلمانوں میں فلموں، ڈراموں کے ''قبیح و

غلیظ" ہونے کا احساس و شعور بیدار کیا جائے، ان مناظر کا شرعی حکم اور ان سے نجات حاصل کرنے کے طریقے بیان کیے جائیں۔

بظاہر یہ کام ناممکن نہیں تو بہت زیادہ مشکل ضرور نظر آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے امید ہے کہ اگر اس سلسلے میں مخلصانہ کوشش کو جاری رکھا جائے تو کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور حاصل ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مکتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی یہ پیشکش اسی مقصد کے حصول کے لئے دیانت دارانہ کوشش کا نتیجہ ہے۔

اس رسالے میں پہلے اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ایک سوال اور اس کا جواب ہے اور پھر فلموں، ڈراموں کے بارے میں احکام، ان کے نقصانات اور آخر میں ان سے بچنے کا طریقہ درج کیا گیا ہے۔ "اولاً" آپ اس کا خود مطالعہ فرمائیں، اگر آپ کو محسوس ہو کہ "کوئی مسلمان اسے پڑھ کر فلموں ڈراموں سے تائب ہو سکتا ہے تو بغیر سستی کئے دوسروں تک بھی اسے پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض مقامات پر تحریر شدہ "کچھ جملے"، "بعض حساس حضرات" کے لئے "شدید غم و غصے" کا سبب بن جائیں، اس قسم کے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں "پیشگی معذرت" کرتے ہوئے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگرچہ آپریشن کے باعث مریض کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ڈاکٹر ٹیکہ لگائے تو اذیت ضرور محسوس ہوتی ہے اور بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے کڑوی گولیاں بھی کھانی پڑ ہی جاتی ہیں لیکن "حصولِ شفاء" کی جستجو میں ہر مریض ان تمام تکالیف کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار نظر آتا

ہے ،بالکل اسی طرح ''حصولِ پاکیزگی اور باطنی صفائی'' کے لئے اگر کچھ ''ناگوار سچ'' بھی برداشت کر لیا جائے تو غالبًا اس میں ناراضگی والی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے۔''

امید ہے کہ ''مطالعہ فرمانے والے مسلمان بھائی ''اصلاح کی غرض سے قلوب پر چوٹ کرنے کی خاطر استعمال کئے جانے والے'' طنز یہ الفاظ'' سے ان کے ''ظاہری معنی'' مراد لینے کی ''غلطی'' میں مبتلاء نہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اس تحریر کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور معاشرے کی اصلاح کے لئے سببِ عظیم بنائے۔ امین بجاہ النبی الامین ﷺ

خادمِ مکتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

محمد اجمل

٦ ذی الحجہ ١٤٢٠ھ

13 مارچ 2000

# الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام وعلی سیّدِ الانبیاء والمرسلین، اما بعد

# فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

# بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اہلِ ہنود (یعنی ہندو لوگوں) میں کم زیادہ (یعنی کم و بیش) ایک ہفتہ تک شام سے آدھی رات یا بعد تک ایسی مجلس ہوتی رہے کہ جس میں رام و لچھمن وراون و سیتا[1] وغیرہ عورت و مرد کی قسم قسم کی تصویریں دکھائی جائیں اور اس کے ساتھ ہی طرح طرح کا باجا بجا کر بھجن[2] وغیرہ گانا گایا جائے اور ان تصویروں کو نعوذ باللہ[3]، معبودِ حقیقی سمجھیں اور ہر طرح کے فحش و لغویات پیدا ہوتے ہوں، تو ایسی مجلسوں میں ان مسلمانوں کو جو' ازروئے تحقیقِ مذہبِ اسلام (یعنی مذہبِ اسلام کی تحقیق کی بناء پر) ایسی تقاریب کی برائیوں سے بھی فی الجملہ (یعنی تھوڑا بہت) واقف ہوں اور نمازی بھی ہوں، شریکِ مجلس ہونا اور دلچسپی وحظِ نفس اٹھانا (یعنی لذت حاصل کرنا) اور بعض شبیہِ ناپاک (یعنی کچھ ناپاک تصویروں) پر وقعت کی نظر ڈالنا (یعنی انھیں نگاہِ تعظیم سے دیکھنا) اور بعض شبیہِ عورات پر شہوت کی نظر ڈالنا اور مثلِ عقائدِ باطلۂ ہنود (یعنی ہندؤں کے عقائدِ باطلہ کی طرح) تعریف و توصیفِ سوانگ و تماشہ (کھیل

---

1- کافروں کے دیوی دیوتا 2- وہ گیت جس میں خدا کی تعریف ہو 3- ہم اللہ عزوجل کی پناہ چاہتے ہیں

تماشے کی تعریف و توصیف) میں بتالیفِ قلوبِ مشرکین (یعنی مشرکوں کی دل جوئی کے لئے) تائید (یعنی طرف داری) یا "ہوں ہاں" کرنا اور فجر کی نمازیں قضا کرنا، بایں نمط (یعنی اس طریقے کے ساتھ) کہ عشاء بمصروفیِ تماشہ (یعنی تماشے میں مصروفیت کے سبب) اور فجر کی نماز، غلبۂ نیند سے اور باعتراضِ بعض مانعین (یعنی کچھ منع کرنے والوں کے اعتراض کے سبب) یہ کہنا کہ "ہم تو حق اور باطل میں امتیاز ہو جانے کی غرض سے شامل ہوتے ہیں"۔ اور ایسی ہی بے سود تاویلات (یعنی بے فائدہ حیلے بہانے) کرنا، اور زینتِ مجلس کے واسطے اپنے گھروں سے جاجم (یعنی بیل بوٹے دار کپڑے) و دیگر فرش (بچھانے کی چیزیں) و چوکیات (یعنی چھوٹے تخت) و پارچہ (یعنی پوشاک) و زیورات دینا اور بوقتِ اختتامِ جلسہ اپنی نام آوری یا فخر یا شخصیت یا اہلِ ہنود میں اپنی وقعت (یعنی عزت) ہونے یا بصورت نہ دینے کے اپنی ذلت و حقارت جان کر ہمراہِ اہلِ ہنود، روپیہ روپیہ دینا، "بالخصوص وہ مسلمان جو کسی مسافر مسکین کو باوجودِ قدرت "آنہ، دو آنہ"، نہ دے سکتے ہوں"، اور اس مجلس کی شیرینی جو "بنامِ نہاد پرشاد" (یعنی نہاد پرشاد کے نام کے ساتھ) تقسیم ہوتی ہے، کھانا، تو ایسے مسلمانوں کے واسطے ازروئے احکام شرع شریف کیا حکم ہے؟ صاف صاف مع عبارتِ قرآنِ مجید و حدیث شریف و فقہِ مبارک، جداگانہ تمام امور کا جواب مفصل (تفصیل کے ساتھ) ارشاد فرمائیں، اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔"

## الجواب

ایسے لوگ فُسّاق (یعنی بدکار)، فُجّار (یعنی گناہ گار)، مرتکبِ کبائر (یعنی کبیرہ

گناہ کرنے والے)، مستحقِ عذابِ نار و غضبِ جبار ہیں۔ مسلمان کو حکم ہے کہ راہ چلتا ہوا کفار کے محلے سے گزرے تو جلد نکل جائے کہ وہ محلِ لعنت (یعنی نزولِ لعنت کا مقام) ہے، نہ کہ خاص ان کی عبادت کی جگہ کہ جس وقت وہ غیرِ خدا کو پوج رہے ہوں، قطعاً (یعنی یقینی طور پر) اس وقت لعنت اترتی ہے اور بلا شبہ اس میں (یعنی لعنت کے مستحق ہونے میں) تماشائیوں کا بھی حصہ ہے۔

یہ (یعنی مسلمان رہتے ہوئے لعنت کا مستحق ہونا) اس وقت ہے کہ "محض تماشہ مقصود ہو اور اسی غرض سے نقد و اسباب (یعنی پیسہ و سامان) دے کر اعانت (یعنی مدد) کی جاتی ہو" اور "اگر ان افعالِ ملعونہ (یعنی لعنتی کاموں) کو اچھا جانا" یا "ان تصاویرِ باطلہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا" یا "ان کے کسی حکم کفر پر "ہوں ہاں" کہا (یعنی ٹال مٹول) سے کام لیا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، جب تو "صریح کفر" ہے۔ "غمز العیون" میں ہے، "**مَنِ اسْتَحْسَنَ فِعْلاً مِّنْ اَفْعَالِ الْکُفَّارِ کَفَرَ بِاِتِّفَاقِ الْمَشَائِخِ**(یعنی جس شخص نے کفار کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا جانا، تو علماء اس پر متفق ہیں کہ وہ کافر ہو گیا)۔

ان لوگوں کو اگر اسلام عزیز ہے اور یہ جانتے (یعنی یقین رکھتے) ہیں کہ قیامت کبھی آئے گی اور اللہ واحد قہار کے حضور جانا ہو گا تو ان پر "فرض ہے کہ توبہ" کریں اور ایسی ناپاک مجلسوں سے دور بھاگیں، "نئے سرے سے کلمۂ اسلام" اور اپنی عورتوں سے "نکاحِ جدید" کریں ورنہ "عذابِ الٰہی" کے منتظر رہیں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ" **یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ص وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ**"(یعنی اللہ

تعالیٰ کا فرمان ہے "اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے (البقرہ پ۲ آیت ۲۰۸)"

و اللہ تعالیٰ اعلم (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے)

## خصوصی توجہ فرمائیے

اگر دریافت شدہ مسئلے پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ درجِ ذیل امور کا ذکر کر کے شرعی حکم دریافت کیا گیا ہے۔

﴿1﴾ رات گئے اور کئی کئی دن تک، کافروں کی مجلس کا منعقد ہونا۔

﴿2﴾ اس میں کافروں کے جھوٹے خداؤں کی تصویروں کا دکھایا جانا۔

﴿3﴾ باجا بجا کر بھجن گانا۔

﴿4﴾ ان تصویروں کو معبودِ حقیقی سمجھنا۔

﴿5﴾ مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا۔

﴿6﴾ ان مناظر سے لذت حاصل کرنا۔

﴿7﴾ ان معبودوں کو معاذاللہ تعظیم کی نگاہ سے دیکھنا۔

﴿8﴾ بعض تصاویر پر شہوت کی نظر ڈالنا۔

﴿9﴾ مشرکوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی ہاں میں ہاں ملانا۔

﴿10﴾ اس مجلسِ خبیث کے باعث، عشاء و فجر کی نمازوں کا قضا ہونا۔

﴿11﴾ منع کرنے کے باوجود حیلے بہانے کر کے شرکت سے باز نہ آنا۔

﴿12﴾ پیسے وغیرہ سے کفار کی مدد کرنا۔

## خلاصۂ جواب

جواب میں فقیہِ اعظم، امامِ اہلسنت، مجددِ دین و ملت، اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خان رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس کا آسان الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ،

﴿۱﴾ جہاں کفار اور ان کے بت یا ان کی تصویریں ہوں، وہ لعنتی مقامات ہیں۔

﴿۲﴾ جس مقام پر کفار کی عبادت ہو رہی ہو، وہ تو قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کے نزول کا مقام ہے۔

﴿۳﴾ شریک ہونے والا مسلمان دو حال سے خالی نہ ہوگا۔

(i) وہ صرف اور صرف تماشہ دیکھنے کی نیت سے گیا ہے۔ (یعنی دل میں کفار اور ان کی عبادت و عقائدِ باطلہ سے نفرت موجود ہے اور یہی حالت و کیفیت، واپسی تک بلکہ واپسی کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔)

(ii) یا پھر صرف تماشہ دیکھنا مقصود نہیں بلکہ کفار کے افعالِ ملعونہ کو اچھا گمان کر کے گیا تھا، نیز ان کے معبودانِ باطلہ کی تصویروں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے "حکمِ کفر" پر ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔

"پہلی صورت" میں، شریک ہونے والا "کافر تو نہ ہوگا" البتہ فاسق، فاجر، بدکار، گناہِ کبیرہ کرنے والا اور کفار پر برسنے والی لعنت میں حصہ دار اور جہنم کی آگ اور اللہ تعالیٰ کے "غیض و غضب کا مستحق" ضرور ہوگا۔

جبکہ "دوسری صورت" میں وہ، "دائرۂ اسلام سے خارج" ہو جائے گا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اب اگر توبہ و تجدیدِ نکاح کر لے تو سعادت مندی ہے اور اس کے برعکس اگر "نفس و شیطان کی غلامی کے پٹے کی مضبوطی کے باعث" توبہ و تجدیدِ نکاح و تجدیدِ ایمان نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب و گرفت کے لئے تیار رہے کہ یا تو "دنیا و آخرت دونوں میں اس

کا بیڑا غرق اور حشر خراب ہوگا ورنہ کم از کم آخرت میں تو ضرور نشانِ عبرت بنا دیا جائے گا۔"

## مطالعہ فرمانے والے مسلمان بھائیو اور بہنو!

اگر آپ سوال میں مذکور صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر موجودہ مسلمان معاشرے پر ایک سرسری نظر دوڑائیں تو بآسانی محسوس کر لیں گے کہ فی زمانہ بے شمار مسلمان گھرانے ایسے ہیں کہ جن کے سروں پر "جوابِ مسئلہ میں موجود شرعی حکم مرتب ہونے کا شدید خطرہ، پورے غیض و غضب کے ساتھ" منڈلا رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ آج کل تقریباً ہر گھر میں جو "مخصوص فلمیں" بکثرت چلائی جاتی ہیں، کیا وہ سوال میں بیان کردہ مجلس کا بعینہ نقشہ پیش نہیں کرتیں؟ مثلاً،

﴿1﴾ کیا یہ فلمیں رات رات بھر اور تقریباً روزانہ بلاناغہ نہیں چلائی جاتیں؟

﴿2﴾ کیا اس میں کافروں کے باطل و جعلی فاسد خداؤں کو آراستہ و پیراستہ حالت میں نہیں دکھایا جاتا؟

﴿3﴾ کیا ان میں باجوں کے ساتھ بھجن و دیگر گانے نہیں گائے جاتے؟

﴿4﴾ کیا ان میں دکھائے جانے والے بتوں یا ان کی تصویروں کو معبودِ حقیقی تصور نہیں کیا جاتا؟

﴿5﴾ کیا ایک "مسلمان کہلوانے والا"، "اسلام سے محبت کا دعویٰ

کرنے والا" اور "اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب وکتاب دینے پر یقین رکھنے والا"، اپنے تمام گھر والوں سمیت، خوب خوشی ومسرت کے ساتھ "اس مجلس" میں شریک نہیں ہوتا؟

﴿6﴾ کیا ان مناظر سے لذت حاصل نہیں کی جاتی؟

﴿7﴾ کیا بعض مناظر کو شہوت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا؟

﴿8﴾ کیا "غیرت مند مسلمانوں" کے گھر میں قائم ہونے والی اس "بے غیرت مجلس" کی وجہ سے نمازیں قضا نہیں ہوتیں؟

﴿9﴾ کیا ان فلموں کو مسلسل دلچسپی سے دیکھنے کے باعث "غیر محسوس طریقے" سے کفار اور ان کے باطل مذہب سے محبت میں اضافہ اور ان سے نفرت وکراہیت میں کمی واقع نہ ہو گی؟ ﴿کیونکہ یہ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ "جب انسان مسلسل برا کام کرے" یا "برے کام کرنے والوں کے ساتھ نشست وبرخاست (یعنی اٹھنا بیٹھنا) رکھے" تو آہستہ آہستہ ان برائیوں سے نفرت ختم ہو جاتی ہے، گناہ گار تو گناہ گار، اگر دین دار بلکہ تبلیغِ دین کرنے والے حضرات بھی اپنی باطنی کیفیات پر غور کریں تو بآسانی اس چیز کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مثلاً ایک شخص باہر، لوگوں کو مختلف گناہ کرتا دیکھ کر شدید غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے، لیکن جب اپنے گھر میں جاتا ہے تو وہی گناہ یا اسی درجے کی خطاء، خود اس کے "ماں باپ" یا "بھائی بہن" وغیرہ اس کی نگاہوں کے سامنے کر رہے ہوتے ہیں، لیکن یا تو اسے بالکل غصہ نہیں آتا اور یا اگر آتا بھی ہے تو اس میں وہ شدت نہیں ہوتی، جیسی کہ باہر دیکھی جا سکتی تھی، وجہ وہی ہے کہ چونکہ گھر والوں کے

ساتھ ہمہ وقت رہنا پڑتا ہے لھٰذا بار بار برائی کو دیکھتے رہنے کے باعث ، وہ نفرت باقی نہیں رہتی جو رہنی چاہیئے۔

سگِ عطار (راقم الحروف) نے خود ایک مرتبہ اخبار میں یہ افسوسناک خبر پڑھی کہ "ایک معروف "کافر اداکار"، فلم کی شوٹنگ کے دوران، شدید زخمی ہو گیا، چنانچہ پاکستان میں بے شمار لوگوں نے اس کی "صحت یابی" کے لئے دعائیں مانگیں"۔ "**لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔"

آپ غور فرمائیں کہ "اگر قلوب میں "کفار و کفر" کی نفرت ہوتی تو کیا اس طرح خلوصِ دل کے ساتھ اس شخص کے لئے دعائیں مانگی جاتیں ؟"کیا کبھی کوئی "اپنے دشمن اور قابلِ نفرت شخص کی صحت یابی کے لئے بھی دعا کرتا ہے ؟" وجہ وہی ہے جو عرض کی جاچکی۔

یونہی سگِ عطار نے ایک مرتبہ دو بچوں کو دیکھا کہ "جب وہ آپس میں ملے تو اپنے نبی (ﷺ) کی سنت کے مطابق "السلام علیکم" کے بجائے ، دشمنانِ اسلام کے طریقے کے مطابق دونوں ہاتھ جوڑ کر "رام رام" کہا"، دل جل کر رہ گیا۔ (یقیناً ان کے بڑوں نے ، کفار کی فلموں سے حصولِ لذت کے لئے ان بچوں کے مستقبل کی طرف سے عقل کی آنکھیں بند کرلی ہوں گی ، جس کا یہ نتیجہ نکلنا ایک یقینی امر ہے.)

یونہی ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس نے اپنی موٹر سائیکل کی سامنے والی لائٹ پر لکھوایا ہوا تھا "رام جانے"۔... افسوس صد افسوس! یہ سب غیروں سے بڑھنے والی محبت کی علامات ہیں کہ مسلمان اپنے اسلامی شعائر اور بابرکت

ناموں کو چھوڑ کر "غیر قوموں کے شعار اور ان کے نزدیک متبرک ناموں" سے برکت حاصل کرنے کی ناکام کوشش میں "فخریہ طور" پر مصروفِ عمل ہے۔

یونہی عید کے موقع پر بکنے والے "عید کارڈ" تقریباًان ہی کفارِ ناہنجار کی بے حیا بنادینے والی تصویروں پر مشتمل ہوتے ہیں، جنہیں محبت و شوق سے خریدنے والی بڑی تعداد، "اسکول و کالج میں زیرِ تعلیم مسلمان بھائیوں اور بہنوں" کی ہوتی ہے، بلکہ افسوس ہے کہ ان کارڈوں سے باقاعدہ البم تیار کی جاتی ہے اور شائد "قرآنِ پاک" کو اتنی محبت و عقیدت کے ساتھ اتنے محفوظ مقام پر کبھی بھی نہ رکھا ہوگا، جتنی محبت اور دھیان سے "ان ناپاک تصویروں پر مشتمل البم" کو سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح "آج کل کے اپنے گھروں سے تربیت یافتہ جدید ذھن رکھنے والے نوجوانوں" کو دیکھ لیجئے، ان کی جرسیوں، ہاتھ میں پکڑی ہوئی ڈائریوں اور ذاتی کمرے کی دیواروں پرانھیں "اسلام دشمنوں" کی تصاویر نظر آئیں گی۔ کیا یہ محبت کی علامات نہیں؟..... کیا انھیں نفرت و کراہیت کی نشانیاں قرار دیا جاسکتا ہے؟

﴿10﴾ ان فلموں کو خریدنے یا کرائے پر لینے یادیگر ذرائع سے دیکھنے کی کوشش "میں مجموعی طور پر جو کروڑوں روپیہ استعمال ہو رہا ہے، کیا اس سے "کفار کی مدد" اور "ان کو تقویت" حاصل نہیں ہوتی؟

﴿11﴾ کیا منع کرنے کے باوجود آج کل کا مسلمان مختلف حیلوں

بہانوں سے ان فلموں کو دیکھنے کا جواز تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتا؟... ﴿''مثلاً کبھی تو صاف جھوٹ بولتے ہوئے کہتا ہے کہ ''ہم تو صرف ٹائم پاس کرنے کے لئے دیکھتے ہیں، ہمیں پہلے بھی کافروں سے نفرت تھی اور اب بھی ہے۔''

اب اس نادان سے کوئی پوچھے کہ ''کیا تیرے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل موجود ہے کہ جس کے ذریعے ''وقت پاس کرنے کی نیت سے خوش دلی کے ساتھ گناہِ کبیرہ کرنا جائز قرار دیا جاسکے ؟''

اور کبھی '' قلبی خواہش'' کے باوجود خود کو مذمت سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''جی کیا کریں، دراصل بچے بڑی ضد کر رہے تھے، بس اسی وجہ سے مجبوراً ''وی سی آر اور ڈش انٹینا خریدنا پڑا۔''

کاش کوئی اس ''**بھولے بادشاہ**'' سے سوال کرے کہ ''اگر کل آپ کی یہی اولاد ضد کرتے ہوئے مطالبہ کرے کہ ''ابا جان ! ابا جان ! آپ تیسری منزل سے نیچے چھلانگ لگا دیجئے'' یا '' آپ جلتے ہوئے چولہے پر بیٹھ جایئے'' یا ''اس چھری سے اپنا گلا کاٹ لیجئے''۔ تو کیا اب بھی آپ پر اولاد کی محبت غالب رہے گی ؟......

یقیناً اس کا جواب یہی ہو گا کہ ''ہرگز ہرگز نہیں'' تو اب بڑے ادب سے سوال کیا جائے کہ ''حضرت! ماشاء اللہ جان جانے کے خوف کی بناء پر تو آپ کی عقل، محبتِ اولاد پر غالب رہی، لیکن '' بے حیائی کی دلدل میں سر تک دھنسا

دینے والے خطرناک آلات کے ذریعے اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے ایمان کو تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچاتے ہوئے آپ کی عقل شریف نے کام کرنا کیوں چھوڑ دیا تھا؟"﴾

## آخرت پر ایمان رکھنے والے مسلمان بھائیو!

یہاں تک بیان کردہ تفصیل سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ "چونکہ تقریباً ہر گھر میں خوش دلی سے قائم ہونے والی یہ خوفناک مجلسیں"، سوال میں مذکور مجلسِ ناپاک میں ہونے والی خرافات پر ہی مشتمل ہوتی ہیں لھٰذا یہ فلمیں بھی دو صورتوں سے خالی نہ ہوں گی، کہ

(۱) "یا تو اپنے دیکھنے والوں کو فاسق و فاجر و مرتکبِ کبائر و مستحقِ عذابِ نار وغضبِ جبار کے القابات سے نوازے جانے میں معاون و مددگار بنیں گی۔"

(۲) اور "یا پھر ان کے ایمان کا بیڑا غرق کر کے انھیں بھی ان کافروں کی صفوں میں داخل کروادیں گی کہ جن کی بے غیرتی اور بے حیائی پر مشتمل حرکات کے بغیر موجودہ دور کے کثیر مسلمانوں کا "کھانا ہی ہضم" نہیں ہوتا"۔

پھر اگر توبہ نہ کی تو ﴿پہلی صورت﴾ میں "دنیا و آخرت کا سخت عذاب بھگتنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے"، جب کہ ﴿دوسری صورت﴾ میں "ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ٹھکانہ بنادیا جائے گا، جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہو گی"۔

﴿محبت و قلبی لگاؤ کے ساتھ دیکھی جانے اور اللہ تعالیٰ کو غضبناک

کرنے والی ان "بے حد ضروری مجلسوں" کے دنیوی واخروی لحاظ سے چند مزید نقصانات ﴾:۔

## (۱) پیسے کی بربادی :۔

ان فضولیات و خرافات پر مشتمل "فلموں" کو خریدنے یا کرائے پر لینے میں پیسہ لگانا، یقیناً اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایک نعمت کو بے دردی کے ساتھ برباد کرنا ہے۔ یہی پیسہ اگر کسی معیاری یا نیکی کے کام میں خرچ کیا جاتا تو کتنا نفع بخش ہوتا؟.... اس طرح کے بے کار کاموں میں مال خرچ کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے، "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ☆ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط۔ اور (اپنا مال) فضول نہ اڑا، بے شک فضول (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

﴿ترجمہ کنزالایمان پ۱۵ بنی اسرائیل۔۲۶،۲۷﴾

## (۲) وقت کی بربادی :۔

انسان کی "دنیا و آخرت میں ترقی کا بڑا دار و مدار" اپنے قیمتی وقت کو بہترین کاموں میں صرف کرنے پر ہے۔ لیکن صرف "نفس کی حرام خواہش کی تکمیل کی خاطر" کئی کئی گھنٹے بلکہ بعض اوقات تو کئی کئی دن ان "غلیظ فلموں" سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ضائع ہو جاتے ہیں اور نتیجہ نقصان و خسارے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں نکلتا، جو کبھی تو صرف آخرت میں ہی ظاہر ہوگا اور کبھی دنیا و آخرت دونوں میں۔

امامِ غزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "حدیث شریف میں آیا ہے کہ "کل قیامت کے دن، "رات اور دن کے بدلے (جن کی چوبیس گھڑیاں ہیں) بندے کے سامنے چوبیس خزانے رکھے جائیں گے، جب ایک خزانہ کا دروازہ کھولا جائے گا تو وہ اس کو نیکیوں سے بھرا اور معمور پائے گا جو اس نے اس گھڑی میں کی تھیں، اس وقت اس کے دل میں ایسی خوشی پیدا ہو گی کہ "اگر اس خوشی کو دوزخیوں پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ آتشِ دوزخ سے بے خبر ہو جائیں" اس شخص کی اس خوشی اور شادمانی کا سبب یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ انوار، خداوند تعالیٰ کے حضور میں قبولیت کا وسیلہ ہیں۔" جب ایک اور خزانے کا دروازہ کھولیں گے جو سیاہ اور تاریک ہو گا، تو اس خزانے سے ایسی بدبو آئے گی کہ سب لوگ (ناگواری سے) ناک بند کر لیں گے، وہ ساعت گناہ کی ہے، اس کے دیکھنے سے دل پر ایسی ہیبت اور پریشانی غالب ہو گی کہ "اگر اس کو تمام اہلِ جنت پر تقسیم کر دیا جائے تو جنت کی نعمتیں بھی ہر ایک کو ناگوار گزریں۔" پھر ایک اور خزانہ کھولا جائے گا، اس میں نہ ظلمت ہو گی نہ نور ہو گا۔ یہ وہ ساعت ہے کہ جس کو ضائع کیا گیا ہے، اس وقت اس ضائع کرنے والے شخص کے دل میں ایسی حسرت اور پشیمانی پیدا ہو گی گویا کسی نے ایک "خزانہ" یا "ایک وسیع سلطنت" حاصل کی اور پھر اس کو ضائع کر دیا۔"

(کیمیائے سعادت۔ اصل ششم۔ محاسبہ و مراقبہ)

بلا شبہ اگر یہی وقت نیک کاموں میں استعمال کیا جاتا تو نہ معلوم جنت کے کتنے درجات کے مستحق ہو چکے ہوتے۔

## (۳) بے حیائی میں اضافہ :۔

جب انسان "مسلسل" اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کرے" یا "فحش مناظر دلچسپی و شوق کے ساتھ دیکھے"، تو آہستہ آہستہ اسکی شرم و حیاء کا جنازہ" نکل جاتا ہے، نتیجتاً بے حیائی، قلب و دماغ میں اپنے ڈیرے ڈال لیتی ہے، جیسا کہ ہمارے موجودہ معاشرے میں بآسانی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ میں "حیاء" کا معنیٰ اور اقسام بھی تحریر کر دی جائیں تاکہ "حیاء کا جنازہ نکل جانے اور بے حیائیوں کے تقریباً ہر گھر میں ڈیرے ڈال لینے کے دعوے کے حق ہونے کا اعتراف کرنے پر آپ کے دل بھی مجبور ہو جائیں"، چنانچہ

**حیاء کی تعریف** :۔"اَلْحَیَاءُ الَّذِیْ یَحْجُبُ صَاحِبَهٗ عَنْ اَشْیَاءِ مُنْکَرَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الْخَلْقِ۔ حیاء وہ کیفیت ہے کہ جو "صاحبِ حیاء" کو ان اشیاء سے روک دیتی ہے کہ جو "اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں۔"

**حیاء کی اقسام** :۔ حیاء کی دو قسمیں ہیں۔

﴿1﴾ حیاءِ نفسانی ﴿2﴾ حیاءِ ایمانی

### (۱) حیاءِ نفسانی :۔

"وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِی النُّفُوْسِ

**كُلِّهَا**۔ (یعنی یہ وہ حیاء ہے کہ جسے اللہ تعالی نے تمام جانوں میں پیدا فرمایا ہے۔)
(ایضا)

**مثال** :۔ جیسے لوگوں کے سامنے ستر کھولنے سے حیاء کرنا یا کسی اسلامی بہن کا بے پردہ غیر مردوں کے سامنے آنے سے شرمانا۔

**(۲) حیاءِ ایمانی:۔**

**"وَهُوَ اَنْ يَمْنَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ فِعْلِ الْمَعَاصِيْ خَوْفاً مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى** ۔(یعنی یہ وہ حیاء ہے کہ کوئی مؤمن، اللہ تعالی کے خوف کی وجہ سے کسی فعلِ گناہ سے رک جائے۔)" (ایضاً)

**مثال** :۔ جیسے اللہ تعالی کے خوف کی وجہ سے فلموں، ڈراموں کے دیکھنے اور گانے باجے سننے سے رک جانا۔

حیاء کی تعریف واقسام کے بارے میں بمع مثال جاننے کے بعد، آپ بھی بخوبی اقرار کریں گے کہ "عذابِ رب اور گرفتِ الٰہی پر کامل یقین رکھنے والے اس مسلم معاشرے سے "حیاء کی دونوں اقسام" آہستہ آہستہ رخصت ہوتی چلی جا رہی ہیں۔"

"نوجوانوں کا نیکر پہن کر اپنے گھر والوں بلکہ گلی محلے والوں بلکہ بعض اوقات پورے ملک کے سامنے بلا شرم و جھجک آنا اور "باحیاء والدین کا اپنی جوان اولاد"، "باغیرت بھائی کا اپنی جوان بہن اور ماں باپ" اور "باشرم بہن کا اپنے جوان بھائیوں اور والدین" کے ساتھ وی سی آر اور ڈش انٹینا پر "انتہائی بے غیرتی، بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل مناظر دیکھنا" اور "گندے فحش

کلمات والفاظ پر مبنی گانے"، خوش دلی و مسرت کے ساتھ ہنس ہنس کر دیکھنا اور سننا"، اور "اخبارات میں اجتماعی زیادتی اور لواطت کی خبروں کی کثرت" اس دعوے پر بہت معمولی اور واضح ترین دلیلیں ہیں۔

کاش! دورانِ فلم، ٹی وی سکرین پر "کسی انتہائی غلیظ منظر" کے نمودار ہونے کی صورت میں "اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مشغول گھر کے یہ کل افراد، نظریں چرانے کے بجائے، ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اپنی باطنی گندگی پر خود کو ملامت کرتے ہوئے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس برے کام سے توبہ کرنے کی سعادت حاصل کر لیتے۔"

## (۴) اللہ تعالیٰ اور ماں باپ کی بارگاہ میں گستاخیاں:۔

یوں تو ان فلموں کی بے شمار "برکات"

دیکھی اور محسوس کی جا سکتی ہیں لیکن "ماں باپ کی عظمت کو دل سے نکال دینا" اور "اللہ عزوجل کے مقابلے میں گستاخی پر ابھارنا"، ان فلموں کے باعث معاشرے میں عام ہونے والے "**بد بختی** سے بھرپور" دو ایسے فعل ہیں کہ جن کے باعث ہمارے مسلمان بھائیوں کی آخرت و ایمان "شدید خطرے" میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قرآنِ پاک میں ارشاد فرمائے " **اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا** (یعنی اگر تیرے سامنے ان (یعنی والدین) میں (سے) ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی

بات کہنا۔) (کنزالایمان۔پ۱۵۔بنی اسرائیل۔۲۳)

لیکن "ماں باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بد تمیزی سے بھرپور کلام پر مشتمل" بے ہودہ مناظر دیکھ کر، "تربیت یافتہ ماڈرن اولاد" اسی راستے پر چلتے اور والدین کو اپنی آزادیوں کی راہ میں زبردست رکاوٹ سمجھتے ہوئے، زبان درازی کرتی بلکہ بعض اوقات تو گالیاں دیتی اور مارتی ہوئی بھی نظر آتی ہے۔

یونہی شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادنیٰ سی گستاخی بھی کفر ہے"، لیکن ان "پاکیزہ فلموں" میں کافر کو اپنے "بھگوان سے لڑتے جھگڑتے" یا پھر اسے کسی مسلمان کے کردار میں اپنے خدا سے بد تمیزی کرتے ہوئے دیکھ کر "دین کے بنیادی مسائل وعقائد سے ناواقف نئی نسل" بھی "اللہ عزوجل" کے خلاف گستاخی سے بھرپور الفاظ کی ادائیگی کی طرف مائل ہوتی چلی جا رہی ہے، جس کا مشاہدہ ہر ذی شعور شخص بآسانی کر سکتا ہے، خصوصاً اسکول وکالج ویونیورسٹی وآفسز کے ماحول میں۔

اس کے علاوہ ان کے گانوں میں جان بوجھ کر ایسے بول شامل کئے جاتے ہیں، جو اسلامی عقائد کے مطابق کفر پر مشتمل ہوتے ہیں جیسا کہ ایک گانے کا یہ شعر

حسینوں کو آتے ہیں کیا کیا بہانے　　　خدا بھی نہ جانے تو ہم کیسے جانیں

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس شعر میں "خدا بھی نہ جانے" کفر پر مشتمل ہے کیونکہ نہ جاننا جہالت ہے اور جہالت عیب ہے اور کسی عیب کی

کھانا کھاتے ہوئے، استنجاء خانے میں بیٹھے ہوں یا نہا رہے ہوں یا سونے کے لئے بستر پر دراز ہوں یا دورانِ سفر، حتیٰ کہ نماز پڑھتے ہوئے بھی "غلیظ گانوں کے ناپاک بول"، "فحش مناظر" اور "مکروہ ڈائیلاگ"، اس شوقِ حرام میں مبتلاء نادان لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور پھر ان خیالاتِ فاسدہ کے سبب نفس و شیطان کے لئے مزید برے کاموں کی دعوت دینا بلکہ ان میں مشغول کروا کر دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کروا دینا، بے حد آسان ہو جاتا ہے اس قسم کے کتنے ہی نوجوان ایسے ہیں کہ جو ہمارے پاس آکر اپنی درد بھری داستان سنا کر آخر میں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں "اب تو ہمیں خود اپنے آپ سے نفرت ہو گئی ہے اور اس غلاظت بھری زندگی سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جلد از جلد موت عطا فرما دے۔" اگر شرعی طور پر معیوب نہ ہوتا تو سگِ عطار تحریر کرتا کہ ان فلموں کے نتیجے میں خصوصاً "ہماری نوجوان نسل" کیسی کیسی آفات میں گرفتار ہو رہی ہے جس کے باعث اگر اللہ عزوجل کی رحمت شاملِ حال نہ رہی تو ان کی آخرت کی بربادی بالکل یقینی نظر آتی ہے۔

پھر اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ "والدین" کی ذہنی و قلبی پاکیزگی کا اثر لازمی طور پر اولاد میں منتقل ہوتا ہے، یونہی اگر ماں باپ ذہنی گندگی اور بری عادات میں گرفتار ہوں تو اولاد پر اس کے منفی اثرات بھی ضرور مرتب ہوتے ہیں، اس **مُسَلَّمَہ** (یعنی تسلیم شدہ) حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر دیکھا جائے تو ان فلموں کے باعث ذہنی غلاظت میں مبتلاء مسلمان بھائی اور بہنیں نہ صرف خود اخروی لحاظ سے بے حد خطرے میں ہیں بلکہ ان کی آنے والی نسلوں کا

نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا، ''**کفر**'' ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی آپ سے کہے کہ (معاذ اللہ) ''تمہارا خدا عزوجل جاہل ہے''... یقیناً آپ کی غیرتِ ایمانی نے آپ کی طبیعت میں اس جملے کے بارے میں غصہ و ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کئے ہونگے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے، لیکن کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس ''فرضی بات'' پر تو ہم غصہ محسوس کریں لیکن اپنے '' پیاروں کی ناپاک فلموں کے منحوس گانوں'' میں اس قسم کے بے شمار فاسدو کفریہ جملوں کو سن کر ہمیں بالکل غصہ نہیں آتا بلکہ خوب خوشی سے سننے کے ساتھ ساتھ گنگنانا بلکہ آوازبلند کر کے پورے محلے کو سنوانا بھی شروع کر دیتے ہیں۔

کاش! اس قسم کے گانے سننے والے موت سے پہلے پہلے ''تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کر لیں'' ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہوئے بے پرواہی سے زندگی گزار دیں لیکن میدانِ محشر میں معلوم چلے کہ ''حضرت کا ایمان'' تو دنیا میں ہی تباہ وبرباد ہو چکا ہے اور انھوں نے حالتِ ایمان نہیں بلکہ حالتِ کفر میں زندگی گزاری ہے اور اب انہیں اپنے ان ''عزیزوں اور محبوبوں'' کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کی سخت آگ میں جلنا نصیب ہوگا کہ جنکی فلمیں دیکھنے سے منع کرنے والے کلمہ گو مسلمان بھائیوں کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔''

## (۵) ذہنی وقلبی گندگی:-

ان فلموں کو دیکھنے کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی ''ذہنی و قلبی پاکیزگی'' تقریباً ختم ہو جاتی ہے نتیجتاً ہمہ وقت ''گندے اور غلیظ خیالات'' دل ودماغ میں پے درپے گردش کرتے رہتے ہیں،

مستقبل بھی یقینی طور پر تباہی وبربادی کا شکار ہوتا نظر آتا ہے۔

کاش! بظاہر خوفِ خدا عزوجل سے بے نیاز نظر آنے والا یہ مسلمان اپنے لئے نہ سہی، اپنی آنے والی نسلوں کی بہتری کے لئے ہی ان "واہیات مناظر" سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا.........

## (۶) فحش حرکات و گندی گفتگو:۔

چونکہ "بے غیرتی و بے شرمی پر مشتمل یہ مناظر" غیرت و حیاءِ ایمانی کو "منہ چھپا کر بھاگنے پر مجبور" کر دیتے ہیں، چنانچہ ان کے "ناظرین نوجوان" کی باطنی حالت "ایک گندی فطرت رکھنے والی مکھی" کی مانند ہو جاتی ہے کہ جسے گندگی کے بغیر سکون ہی حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ان فلموں کے دلدادہ نوجوان آپس میں سرِ عام اس قسم کی فحش حرکات کرتے اور منہ سے ایسے گندے الفاظ و جملے نکالتے نظر آتے ہیں کہ جن کے باعث ایک شریف آدمی، شرم کے مارے خود کو زمین میں گڑتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

اسکول و کالج و یونیورسٹی و آفس کے ماحول میں اس قسم کے مناظر اور گندی گفتگو پر مشتمل "پاکیزہ مجالس" بکثرت دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہ "نالائق و بیوقوف مسلمانوں" کا ایک ایسا "نادان ٹولہ" ہے کہ جسے نہ تو صاف ستھری، با اخلاق اور مہذب گفتگو کرنے میں مزہ محسوس ہوتا ہے اور نہ ہی وہ خود کو اس پر قادر پاتے ہیں چنانچہ اگر "بھولے سے" کوئی پاکیزہ گفتگو شروع کر بھی لیں تو اس کا انجام بہر حال گندگی پر ہی ہوتا ہے۔ کاش! ہمارے سخت خطرے میں گھرے ہوئے یہ مسلمان بھائی درجِ ذیل حدیثِ پاک کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھتے کہ

"سرکارِ مدینہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ "شرم و حیاء "ایمان" سے ہے اور ایمان (یعنی صاحبِ ایمان) جنت میں ہے اور فحش گوئی "سخت دلی" سے ہے اور سخت دلی آگ (یعنی جہنم) میں ہے۔" (احمد۔ترمذی)

## (۷) پڑھائی تباہ و برباد:۔

کفار کی طرف سے ملنے والے "ان زہر بھرے لڈوں" کی ایک برکت واضح طور پر یہ بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ ان کے "بظاہر خوشگوار ذائقے" کی وجہ سے ہمارے نوجوانوں کی پڑھائی سے دلچسپی" خطرناک حد" تک کم ہو چکی ہے۔ "دینی تعلیم" کے حصول کے جذبے سے تو پہلے ہی محروم تھے لیکن اب تو" دنیاوی پڑھائی" سے رغبت بھی صفر ہو کر رہ گئی ہے۔

یقیناً جب ذھن "گندگی کا کارخانہ" بن جائے اور "برے کاموں پر استقامت" انسان کی عادت میں شامل ہو جائے، تو یہ "انعامات" تو نہ چاہتے ہوئے بھی قبول کرنے ہی پڑیں گے۔

ابتداءً گھر والوں کو "اللہ تعالیٰ سے بے خوفی کے باعث" اس چیز کا احساس نہیں ہوتا کہ " ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کا دنیاوی و اخروی مستقبل خطرے میں ڈال رہے ہیں"، لیکن جب "پانی سر سے اونچا" ہو جاتا ہے اور "تربیت یافتہ فرماں بردار اولاد" امتحان میں "بری طرح فیل" ہو جانے کا شرف حاصل کر لیتی ہے تو" آخرت کی بہتری کے پیشِ نظر نہیں بلکہ صرف اور صرف دنیاوی مستقبل کی بربادی کے خوف کے باعث"، سختی کرنے کی کوشش کی

جاتی ہے، لیکن کاش! ان نادانوں کو اس بات کا احساس ہو جاتا کہ "کسی کو نشہ کا عادی بنا کر پھر نشے کی عادت چھڑوانا بہت مشکل کام ہے"..... نتیجتاً جب گھر میں سختی شروع ہو جاتی ہے تو یہی "باغی نوجوان" اپنے دوستوں کے ساتھ "اجتماعی طور پر" اس نشے کو "مزید بدترین طریقے" سے پورا کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح ان "مخلص سرپرستوں" کی مثال بالکل اس کسان کی طرح ہو جاتی ہے کہ "جو شدید محنت کر کے اپنی زمین پر فصل اگائے اور جب وہ فصل بالکل پک کر تیار ہو جائے تو خود اسے جلا کر بھسم کر دے۔" اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

## (۸) عبادت و عمل سے دوری :۔

ان فلموں کے ذریعے "ہر قسم کی آزادی ہمارا حق ہے"، "چند دنوں کی زندگی ہے، خوب عیش کے ساتھ گزارو" اور "جوانی دی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس میں ہر قسم کی خواہشاتِ نفسانی کی جی بھر کر تکمیل کرو" کا "پاکیزہ درس" حاصل کرنے کے بعد "غلامانہ ذھن رکھنے والا مسلمان" معاذ اللہ "دینی پابندیوں" اور "عبادات کے لزوم" کو بوجھ تصور کرنے لگا ہے۔ اسی مسلمان گھرانے کو کہ جو "تین تین یا چھ چھ گھنٹے بلکہ بعض اوقات تو پوری پوری رات بغیر پلک جھپکائے" غیر اخلاقی حرکات پر مشتمل مناظر" خوب ذوق و شوق کے ساتھ دیکھنے کے باوجود تھکتا ہوا نظر نہیں آتا، "پندرہ بیس منٹ میں "گرمیوں میں پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا" اور "سردیوں میں ہیٹروں کی گرمی میں" ادا کی جانے والی، ادائیگی کے لحاظ سے بے حد "آسان نمازیں"، انتہائی بوجھ

محسوس ہوتی ہیں اور بعض پر تو اتنی "**بد بختی**" طاری ہوتی ہے کہ جمعۃ المبارکہ کی نماز بھی نہیں پڑھتے اور بعض "**کم بختی**" کے انتہائی اعلیٰ درجے پر فائز، ایسے بھی نظر آئیں گے کہ جو "عیدین کی نمازیں" بھی ادا کرنے سے جان چھڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یونہی خوب اچھی طرح "ملمع کاری" کر کے سکرین پر نظر آنے والے ناپاک کفار کی بظاہر "خوبصورت دکھائی دی جانے والی صورت" اور دیگر "فیشنوں" سے متاثر ہو کر "اپنا ظاہری حلیہ بگاڑ لینے والے نوجوانوں" کو اپنے "پیارے آقا حبیبِ کبریا ﷺ کی پاکیزہ سنتیں" (معاذ اللہ) حقیر و معمولی دکھائی دینے لگتی ہیں اور بد قسمتی سے "مسلمان کہلوانے والے سر پرستوں کی اکثریت" کو بھی اپنی اولادِ انھیں کفار کے رنگ میں رنگی ہوئی اچھی لگتی ہے، بلکہ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی، اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کا "نا قابلِ معافی مقدس جرم" کر بھی لے تو جب تک اسے اپنے "پیاروں کے طریقے اپنانے" کی طرف دوبارہ مائل کرنے میں کامیابی حاصل نہ کر لیں، ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔ کاش! یہ نادان ترین لوگ کبھی درجِ ذیل مسائل پر بھی غور کر لیتے۔

**مسئلہ** :۔ اگر کسی نے داڑھی بڑھانے کو حقیر جانا، داڑھی رکھنے والوں کا مذاق اڑایا یا ان کی داڑھی کو گندی اشیاء سے تشبیہ دی تو ایسا شخص قطعی طور پر کافر ہے، اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی (اور علیحدہ نہ ہونے پر) اس کے بعد جو

بچے ہوں گے، اولادِ حرام ہو ں گے۔ اہلِ اسلام کو ایسے لوگوں سے کفار والا معاملہ برتنا چاہئے، ان کے مرنے کے بعد ان کی جنازے کی نماز نہ پڑھیں اور انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کریں کہ انھوں نے انتہائی عزت والے پیغمبر افضل المرسلین ﷺ کی سنت کو (معاذاللہ) حقیر و ذلیل سمجھا ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ بتغیر ما)

**مسئلہ:۔** جو شریعت مطہرہ کو ایسا ویسا یعنی حقیر جاننے والا ہے تو وہ قطعی طور پر، علماءِ کرام کے اتفاق کے ساتھ "کافر و مرتد و زندیق و ملحد" ہے، ایسا کہ "مَنْ شَكَّ فِيْ كُفْرِهٖ وَ عَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ (یعنی جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے تو بے شک وہ (بھی) کافر ہو گیا۔) (فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ بتغیر ما)

**مسئلہ:۔** مسئلہ شرعیہ کا مذاق اڑانا صراحۃً (یعنی بالکل واضح) کفر ہے۔ (ایضاً)

**مسئلہ:۔** یوں کہنا کہ "داڑھی منڈانے والے، داڑھی رکھنے والوں سے بہتر ہیں" صاف سنتِ متواترہ کی توہین اور کلمۂ کفر ہے۔ (ایضاً)

**مسئلہ:۔** حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی "قول و فعل و عمل و حالت" کو جو بنظرِ حقارت دیکھے "کافر" ہے۔ (بہارِ شریعت)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "فلموں ڈراموں کی برکات سے مالامال موجودہ ماڈرن و ایڈوانس معاشرے کے مغربی ذہن رکھنے والے "بے حس والدین" کا ایک دلخراش واقعہ، حصولِ عبرت کے لئے تحریر کر دیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کو پڑھ کر کوئی سمجھ دار مسلمان "دامنِ عقل" تھامنے میں کامیاب ہو جائے، سگِ عطار کو لاہور کی ایک یونیورسٹی (نام لکھنا شائد "غیرت

مندِ انتظامیہ" کے لئے تکلیف کا باعث بن جائے۔) میں زیرِ تعلیم ایک قابلِ اعتماد طالبِ علم نے کل (یعنی ۱۴ مارچ ۲۰۰۰ء) کو بتایا کہ "کچھ دن پہلے یونیورسٹی ہاسٹل کے کامن روم میں رات کے وقت "پاکستان کے مستقبل کے معمار" چار لڑکے اور لڑکیوں کو "انتہائی نامناسب حالت" میں پکڑا گیا، چوکیدار کے ذریعے جب یہ "پاکیزہ خبر" انتظامی کمیٹی تک پہنچی اور ایکشن لینے کے لئے ان کے "مخلص ترین والدین" سے رجوع کرنے کی "حماقت" کی گئی تو "پاکیزہ فطرت سرپرستوں" نے "انتہائی سادگی" سے ارشاد فرمایا "جب یہ چوبیس چوبیس گھنٹے پڑھتے رہتے ہیں تو اگر "کبھی کبھار تھوڑا بہت انجوائے" بھی کر لیں تو کیا حرج ہے؟ .... انکے اس "قابلِ تعریف" جواب پر "بھولی بھالی کمیٹی" نے جواب دیا کہ "اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ "اے ربِ کائنات! ہم تیرے عذاب سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں۔"

## (۹) آنکھوں، کانوں میں کیل:۔

احادیثِ مبارکہ میں بدنگاہی کو آنکھوں کا زناء قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ابو داؤد شریف (**کتاب النکاح**) میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں "کہ سرکارِ مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے زناء سے کچھ حصہ مقرر فرما دیا ہے جو لا محالہ اسے پہنچے گا پس آنکھوں کا زنا نظر (یعنی بدنگاہی) ہے اور زبان کا زنا (فحش) گفتگو ہے اور نفس تمنا اور خواہش کرتا ہے اور (پھر) شرم گاہ اسکی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فعل قبیح سے محفوظ رہنے کا حکم دیتے ہوئے
اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرمایا "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ☆ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴿ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں﴾ (سورہ نور پ ۱۸ آیت ۳۰، ۳۱)

"اب جو مسلمان نامرادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کر کے فلموں ڈراموں کی صورت میں اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے آنکھوں کے زنا کا اہتمام وانتظام کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا بہت برا بدلہ عطا فرمائے گا جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ "حضرتِ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایک روز نمازِ فجر کے بعد ارشاد فرمایا "میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے اور وہ سچ ہے، پس تم اسے اچھی طرح سمجھ لو، آج رات، ایک آنے والا میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک لمبے چوڑے پہاڑ کے پاس لے آیا اور عرض کی "اس پر چڑھیے" میں نے کہا کہ "میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔" اس نے عرض کی کہ "آپ چڑھیے، میں اسے آپ کے لئے آسان کر دوں گا۔" پھر میں اس پر چڑھنے لگا یہاں تک کہ ہم اس کے درمیانی حصے تک پہنچ گئے،

وہاں میں نے کچھ لوگ ایسے دیکھے جن کی آنکھوں اور کانوں میں کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں۔" دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ "ان کی آنکھیں وہ دیکھتی تھیں جو آپ نہیں دیکھتے اور ان کے کان وہ سنتے تھے جو آپ نہیں سنتے۔" (حاکم۔ طبرانی۔ بیہقی)

یاد رکھئے کہ انبیاء علیھم السلام کے خواب، وحیِ الٰھی کی ہی ایک صورت ہے، لھٰذا اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ مذکورہ خواب بھی وحیِ الٰھی ہونے کی وجہ سے حق ہے اور اس میں شفیعِ محشر ﷺ کو عذاباتِ قبر دکھائے گئے تھے۔ مذکورہ حصے میں "ان لوگوں" کا عذابِ قبر آپ کے سامنے پیش کیا گیا کہ جنہوں نے دنیا میں "حرام اشیاء" دیکھیں اور سنیں۔

کاش!... ہنس ہنس کر حرام مناظر دیکھنے اور خوب دلچسپی کے ساتھ "کفریہ کلمات پر مشتمل ناجائز گانے" سننے والے اس حدیثِ پاک کو بار بار پڑھ کر، صرف وقتی مزوں کی خاطر "نفس و شیطان" کی اطاعت کرتے ہوئے، اللہ عزوجل کے غیض و غضب کو دعوت دینے والی نامعقول حرکتوں سے فوری توبہ کرنے کی کوشش کو ربِ کریم کا احسانِ عظیم تصور کریں۔

## (۱۰) آنکھ میں جہنم کی آگ :۔

سرکارِ مدینہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ "مَنْ مَّلَأَ عَیْنَہٗ مِنَ الْحَرَامِ مَلَأَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَیْنَہٗ مِنَ النَّارِ" یعنی جس شخص نے اپنی آنکھ کو حرام سے بھرا تو اللہ تعالٰی، بروزِ قیامت اس کی آنکھ میں جہنم کی آگ بھر دے گا۔" (مکاشفۃ القلوب)

چونکہ حدیثِ بالا میں جہنم کی آگ کا تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی احادیثِ مبارکہ ذکر کردی جائیں کہ جن سے اس کی معرفت حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

(i) حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" تمہاری یہ آگ جسے ابنِ آدم (یعنی انسان) روشن کرتا ہے، جہنم کی آگ سے ستر درجے کم ہے"۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کی"یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! جلانے کے لئے تو یہی کافی ہے؟" فرمایا"وہ اس سے انہتر(۶۹) درجے زیادہ ہے، ہر درجے میں یہاں کی آگ کے برابر گرمی ہے۔" (مسلم)

(ii) حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" دوزخ کی آگ ہزار سال بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سرخ ہو گئی، پھر ہزار سال تک بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سفید ہو گئی، پھر ہزار سال تک بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی، پس اب وہ نہایت سیاہ ہے۔" (ترمذی)

(iii) حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" تمہاری یہ آگ، دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے، اگر یہ دوبارہ نہ بجھائی جاتی تم اس سے نفع نہ اٹھا سکتے تھے، اب یہ آگ خود اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتی ہے کہ اسے دوبارہ جہنم میں نہ لوٹایا جائے۔" (ابنِ ماجہ)

## فلمیں دیکھنے سے باز نہ آنے والے نازک اندام مسلمان بھائیو:

مذکورہ بالا حدیثِ پاک کو اب ذرا دوبارہ خوب غور سے پڑھئے اور پھر آنکھیں بند کر کے اچھی طرح ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ "جو آنکھ "معمولی سا تنکا، مرچ کا باریک ذرہ اور پیاز کا تھوڑا سا پانی" بھی برداشت نہیں کر سکتی، وہ جہنم کی ذکر کردہ شدید ترین آگ کیسے برداشت کرے گی؟" اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ

کریم ﷺ کی نافرمانی میں مبتلاء ان "نادان ترین مسلمان بھائیوں" کو موت سے پہلے پہلے "فرماں برداری کی سمجھ" عطا فرمائے۔

(امین بجاہ النبی الامین ﷺ)

## (۱۱) بوقتِ موت سختی :۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں "سامانِ لذت ڈھونڈنے والا"، اگر سکراتِ موت سے پہلے پہلے توبہ کرنے میں کامیاب نہ ہوا تو اسے ان حاصل کردہ وقتی مزوں کا بدلہ "شدید تکلیف و عذاب" کی شکل میں بھگتنا پڑے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے "سورۂ انعام" میں ارشاد فرمایا" وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ج اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ☆ یعنی "اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلاتے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے۔"

(ترجمہ کنزالایمان۔ پ۷ ۔ ۹۳)

اس آیتِ کریمہ میں ظالموں کے لئے موت کی سختی کا ذکر ہے اور اسکے سبب کے طور پر دو چیزوں کا ذکر ہے ۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگانا۔ (یعنی نبوت و وحی کے جھوٹے دعوے کر کے اور اس کے لئے "شریک" اور "بیوی بچے" بتا کر۔)

(۲) اس کی آیاتِ کریمہ سے تکبر کرنا۔ (یعنی انھیں حقیر و معمولی سمجھ

کر نظر انداز کرتے ہوئے "قابلِ عمل نہ سمجھنا" یا "قابلِ عمل سمجھنے کے باوجود عمل سے غافل ہو جانا"، جیساکہ "فلموں ڈراموں کے ذریعے بد نگاہی کرنے والے بھی "نگاہوں کی حفاظت کے حکم پر مشتمل آیات" کے ساتھ تکبر کرنے میں مبتلاء ہیں۔")

آیتِ کریمہ میں موت کی سختی کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہ سختی کس قدر ہو گی اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ درجِ ذیل روایات سے لگایا جا سکتا ہے۔

☆ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "ملک الموت کی تکلیف، "تلوار کی ہزار چوٹوں" سے زائد ہے۔" (التاریخ للخطیب)

☆ حضرتِ انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "بے شک فرشتے مرنے والے کو گھیر لیتے ہیں اور باندھ دیتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ "موت کی شدت" کی وجہ سے صحراؤں اور جنگل بیابانوں میں دوڑتا پھرتا۔"(شرح الصدور)

☆ حضرتِ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "موت دنیا و آخرت کی ہولناکیوں" میں "سب سے زیادہ ہولناک" ہے، یہ "آروں سے چیرنے، قینچیوں کے کاٹنے اور ہانڈیوں میں ابال دینے" سے زیادہ شدید ہے، اگر مردہ زندہ ہو کر موت کی تنگی لوگوں کو بتا دیتا تو وہ اپنی "زندگی سے نفع" اور "نیند سے لذت" حاصل نہ کر سکتے۔" (ابنِ ابی الدنیا)

## (۱۲) جنت سے محرومی:۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ "رسول اللہ

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تین اشخاص ایسے ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت "حرام" فرمادی ہے ﴿پہلا﴾ عادی شرابی، ﴿دوسرا﴾ ماں باپ کا نافرمان اور ﴿تیسرا﴾ وہ بے غیرت جو اپنے گھر والوں میں برائی کو قائم رکھے۔" (احمد۔ نسائی)

ملا علی قاری رضی اللہ عنہ اس حدیثِ پاک میں بیان کردہ لفظ "برائی" کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، " **اَیِ الزِّنَاءُ اَوْ مُقَدَّمَاتُهٗ وَفِیْ مَعْنَاہ، سَائِرُ الْمَعَاصِیْ کَشُرْبِ الْخَمَرِ وَ تَرْكِ غُسْلِ الْجَنَابَةِ وَ نَحْوِ هَا۔** یعنی زناء اور ایسی چیزیں جو زناء کا سبب بن سکیں اور اسی معنی میں دیگر تمام گناہ بھی شامل ہیں جیسے شراب کا پینا اور غسلِ جنابت کا ترک کر دینا اور ان کی مثل اور گناہ۔" (مرقاۃ شرح مشکوۃ)

اس وضاحتِ بالا کے پیشِ نظر، یہ نتیجہ قائم کرنا بالکل دشوار نہیں کہ "جو گھر کا سرپرست اپنے گھر والوں کو خود "گناہوں کے آلات" خرید کر دے، پھر انھیں بخوشی دیکھنے کی اجازت دے، بلکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر خود بھی اپنی "باطنی پاکیزگی" کا اظہار کرے اور ان مناظر کے نتیجے میں اولاد و اہلِ خانہ وغیرہ سے جو "گناہ و حرام کام" سرزد ہو سکتے ہیں، ان کی پرواہ نہ کرے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو کر جنت جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو جائے گا۔

کاش! غلیظ و فحش و گندے مناظر کے بدلے میں جنت جیسی "اعلیٰ و دائمی" نعمت سے محروم ہونے کے "غیر نفع بخش کاروبار" کی قباحت کو محسوس کرتے ہوئے خاص طور پر ہمارے "گھروں کے سرپرست حضرات"، "دامنِ احتیاط" کو تھامنے اور اس پر استقامت پزیر رہنے کی کوشش کرتے........"

## (۱۳) اولاد کے گناہوں سے حصہ :-

حضرتِ ابو سعید خدری اور ابنِ عباس رضی اللہ عنھم روایت فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس کے کوئی لڑکا ہو، تو اس کو چاہیئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے، پھر جب وہ بالغ ہو تو اس کا نکاح کر دے، اگر لڑکا بالغ ہوا اور اس شخص نے اس کی شادی نہ کروائی، پھر اس نوجوان سے کوئی گناہ سر زد ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔" (شعب الایمان)

☆حضرتِ عمرِ فاروق اور انس بن مالک رضی اللہ عنھما روایت فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ "توریت میں مکتوب (یعنی لکھا) ہے کہ "جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور یہ شخص اس کی شادی نہ کرے، پھر اس لڑکی سے کوئی گناہ سر زد ہو گیا تو اس کا وبال باپ پر ہے۔" (ایضاً)

ان دونوں روایات پر "سرپرست حضرات" کو خوب ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار غور کرنا چاہیئے کہ "اگر اولاد کی بلوغت کے بعد کسی مجبوری کے تحت اس کا فوری نکاح نہیں کر سکتے تو کم از کم "فلموں، ڈراموں" کے ذریعے اسے "گناھوں کی تربیت" دے کر اپنے لئے گناہِ جاریہ کا سبب تو نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ اور ہمت عطا فرمائے۔ امین

ان فلموں میں سکونِ قلب ڈھونڈنے کی ناکام کوشش میں مصروفِ عمل مسلمانوں کو چاہیئے کہ "مذکورہ تمام باتوں کو بار بار پڑھیں اور اپنے قلوب میں اللہ عزوجل کی "قھاریت و جباریت" کا خوفِ حقیقی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ

انتہائی دیانت داری و توجہ سے "خود اپنے آپ" سے درج ذیل چند سوالات کے جوابات دریافت کر کے لباسِ حیاء پہننے کی سعادت بھی حاصل فرمائیں۔

﴿۱﴾ ان فلموں کے ذریعے اجتماعی یا انفرادی طور پر بے حیائی و بے شرمی میں مبتلاء ہونا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور پیارے آقا ﷺ کی دل آزاری کا سبب نہیں؟...

﴿۲﴾ کیا ان کے باعث ایمان ضائع ہو جانے کا شدید خطرہ موجود نہیں؟...

﴿۳﴾ کیا ان کے باعث عذابِ قبر میں مبتلاء نہ کیا جائے گا؟...

﴿۴﴾ کیا میدانِ محشر میں ان غلیظ مناظر کی وجہ سے تمام مخلوق کے سامنے "شرمندگی و ندامت و ذلت و رسوائی" میں مبتلاء نہ ہونا پڑے گا؟...

(۵) کیا ان وقتی مزوں کی ہولناک سزا کے طور پر "مقامِ ذلیل و خوار و کفار و بدکار و منافقین و مشرکین یعنی جہنم" میں داخل نہ ہونا پڑے گا؟

جب آپ یہ سب باتیں "جانتے اور مانتے" ہیں تو پھر "ہٹ دھرمی و بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو ہلاکت و بربادی و برے خاتمے کی جانب دھکیلنے میں کیوں مصروفِ عمل ہیں؟"

# والدین کی خدمت میں چند سوالات

(1) کیا اپنی اولاد کے ذہن کو گندگی میں مبتلاء کرنے، انھیں غلیظ کاموں کی ترغیب دلوانے اور ان کے قلوب کو دین سے بیزار اور دنیا کی محبت میں گرفتار کروادینے کو عقل مندی و سمجھ داری کہا جاسکتا ہے ؟

(2) کیا اپنی اولاد کے ایمان کی بربادی کا سامان کرنا، انہیں عذابِ قبر و عذابِ جہنم میں مبتلاء کرواتااور میدانِ محشر میں ذلت ورسوائی میں گرفتار کروانے والے اعمال پر استقامت کے سلسلے میں معاون ومددگار ثابت ہونا، قابلِ تعریف کام ہیں ؟اسے اپنی اولاد سے دوستی کہیں گے یادشمنی ؟

(3) اگر آپ کی "اسی جان سے زیادہ پیاری اولاد" نے میدانِ محشر میں پوری کائنات کے سامنے آپ کا گریبان پکڑ کر اس طرح سوال کرلیا کہ "ہمارے محترم والدین کریمین !اب منہ چھپا کر کہاں بھاگ رہے ہیں ؟ذرا ہماری بھی تو کچھ فریاد سنتے جایئے، سنئے اور خوب توجہ کے ساتھ سنئے کہ موت کے ایک ہی زور دار جھٹکے نے ہم پر بخوبی واضح کردیا کہ تم لوگوں نے دنیا میں محبت کے جھوٹے دعوے کرکے ہمیشہ ہمیں دھوکے میں مبتلاء رکھا، کیوں کہ اگر واقعی تمہیں ہم سے محبت ہوتی تو "دنیا کی بہتری کے غم" کے ساتھ ساتھ ہماری "آخرت کی بھی کچھ نہ کچھ فکر" ضرور کرتے، ہماری دینی تربیت کی جاتی، نیکیوں کا حکم دیا جاتا، برائیوں سے بچانے اور ان دور رکھنے کے سلسلے میں بھی سختی سے کام لیا ہوتا... لیکن افسوس !کہ تم لوگوں نے تو بالکل اس کے برعکس معاملہ کیا، ہمارے

دل و دماغ کو گندہ کر دیا ؟....... ہمیں گناہوں کے راستے دکھائے ؟ ......اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لئے ہمیں بطورِ ڈھال استعمال کیا ؟ .. .نت نئے برائیوں کے طریقے سکھائے ؟.......خود ہمارے ساتھ بیٹھ کر ،خوب ہنس ہنس کر ،ناجائز و حرام مناظر دیکھنے کی گندی عادت کے باعث ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر جرأت مند بنا دیا ؟........ ہمیں گناھوں میں مبتلاء دیکھنے کے باوجود کبھی سنجیدگی سے سمجھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ الٹا نظر انداز کر کے ہمیشہ ہماری حوصلہ افزائی کرتے رہے ؟........ہمیں نیکیوں سے دور دیکھ کر تمہارے ماتھے پر کبھی بھی بل نہ پڑے ؟......تم نے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس پیارے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہونے اور موت سے پہلے پہلے ان کی رضا کے حاصل کرنے سے غافل رکھا ؟.....

تمہیں معلوم ہے کہ "موت کے وقت ہمیں کتنی اذیتیں دی گئیں ؟...... کچھ خبر ہے کہ قبر میں ہمیں کس قدر مارا گیا ؟ .......جانتے ہو کہ تمہاری "ان مہربانیوں کی وجہ" سے ہمیں کیسے کیسے عذاب سہنے پڑے ؟......میدانِ محشر کی ذلت تو تمہارے سامنے ہی ہے ،یقیناً یہ سب تمہاری "کرم نوازیاں" ہیں... آہ!اور ابھی تو جہنم کا معاملہ باقی ہے۔......

ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ " بتاؤ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا ؟ ...... تمہیں ہم پر تھوڑا سا بھی رحم نہ آیا ؟ ....... ہمارے معاملے میں تمہارے دل اتنے سخت کیوں ہو گئے تھے ؟ ...... تم نے ہمارے ساتھ یہ دشمنوں والا سلوک کیوں کیا ؟ .... آخر تمہیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا ؟ ہمیں بتاؤ کہ اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس منہ سے اپنی " غلاظت سے بھر پور زندگی " کا حساب و کتاب دینے کے لئے حاضر ہوں ؟ ....... ہمیں جواب دو ! ..... ہمیں جواب دو ! ...... ہمیں جواب دو ! ..................

تو ذرا ٹھنڈے دل سے ، بغیر غصے میں آئے اچھی طرح سوچئے کہ " کیا ایسی صورتِ حال میں آپ اپنی اس " باغی اولاد " کو کسی دلیل سے مطمئن کر سکیں گے ؟ ........ کیا اس کی شدید نفرت کو محبت سے بدلنے پر قادر ہو جائیں گے ؟ ........ کیا اپنی اولاد کی آخرت کی بربادی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی مضبوط جواب دے سکیں گے ؟ ........ آپ کو اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی خوف محسوس نہیں ہوتا ؟ ....... اس کے پیارے محبوب ﷺ سے تھوڑی سی بھی شرم نہیں آتی ؟ ....... ........

فلموں ، ڈراموں کے وقتی مزوں کی خاطر دنیا و آخرت کے سخت ترین عذابات کی پرواہ نہ کرنے والے مسلمان بھائیو اور بہنو ! خدارا ! ہمت کیجئے ، سنبھل جائیے ، رک جائیے ، ابھی بھی وقت موجود ہے ، اس سے پہلے کہ " موت کا فرشتہ

آپ کی زندگی کے دروازے پر دستک دے، آپ پر موت کی غشی طاری ہو جائے، توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے، عزیز رشتہ دار پاس کھڑے رو رہے ہوں، آپ کے سرہانے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جارہی ہو، آپ موت کی شدید تکلیف محسوس کر رہے ہوں، زبان بند ہو جائے، رشتہ داروں کی صورتیں مدہم ہوتی نظر آئیں، سخت پیاس محسوس ہورہی ہو، حلق میں کانٹے پڑ جائیں، گلے سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں، ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے انتہائی غضبناک حالت میں تشریف لائیں، ان کے ساتھ سینکڑوں عذاب کے فرشتے جہنم کی آگ میں دہکتے ہوئے کوڑے اور سخت گرم انگارے لا کر، انگاروں کو تھوڑی کے نیچے رکھ کر کوڑوں سے مارنا شروع کر دیں، روح جسم سے شدید تکلیف کے ساتھ باہر نکلے اور یوں کہے کہ "اے جسم! اللہ تعالیٰ تجھ کو میری جانب سے بدترین سزا دے کیونکہ تو مجھے گناہوں کی طرف تیزی سے لے جاتا تھا اور نیکی سے پیچھے رکھتا تھا، تو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاکت میں ڈالا۔"، زمین کے وہ حصے جہاں آپ نے دیدہ دلیری کے ساتھ گناہ کئے تھے... آپ پر لعنت کریں، عزیز و اقارب آپ کے گھر والوں کو دلاسہ دینے لگیں، کوئی آگے بڑھ کر آپ کی بے نور آنکھیں بند کر دے، پاؤں کے دونوں انگوٹھے اور جبڑے کو کپڑے کی پٹی سے باندھ دیا جائے، کچھ لوگ قبر کی تیاری کے لئے اور کچھ کفن و تختہ غسل کی خاطر روانہ ہو جائیں، آپ کو تختہ پر لٹایا جائے، کپڑے بالکل اتار دیئے جائیں، پورے بدن پر پانی بہایا جائے، سفید کفن پہنا دیا جائے، آخری دیدار کے لئے گھر والوں کے سامنے لٹا دیا جائے، ہر طرف سے رونے اور چلانے کی آوازیں آرہی ہوں، آپ کی چارپائی کو کندھوں پر اٹھالیا جائے، لوگ جنازہ گاہ کی طرف بڑھنا شروع ہو جائیں، آپ انتہائی حسرت کے ساتھ آخری مرتبہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں، بھائی بہنوں دیگر رشتہ داروں اور محلے والوں کی طرف دیکھنا

شروع ہو جائیں، آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے، اندھیری قبر میں... ہزاروں مردوں کے درمیان... ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نا قابلِ برداشت تنہائی میں چھوڑ آنے کے واسطے... ہولناک... دہشتناک اور پر ہیبت قبرستان کی جانب لے جایا جائے، تنگ و تاریک چھوٹی سی قبر میں لٹا دیا جائے، سب اوپر سے اشک بار آنکھوں کے ساتھ آخری مرتبہ زیارت کر رہے ہوں، قبر پر تختے رکھ دیئے جائیں اوپر سے منوں مٹی ڈال دی جائے، زبردست خوف و غم محسوس ہو رہا ہو، منکر نکیر کے سامنے "خوب چہکنے والی زبان" گنگ ہو جائے، پیارے آقا ﷺ کی آمدِ مبارک پر سر اور نگاہیں شرم سے جھک جائیں، (خدانہ کرے، خدانہ کرے، خدانہ کرے) سرکار ﷺ ناراض ہو کر واپس تشریف لے جائیں، سخت عذابِ قبر مسلط کر دیا جائے، کوئی آپ کی پر سوز آہیں اور کراہیں سننے والا موجود نہ ہو، آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں فریاد کریں... لیکن قبولیت کا وقت گزر چکا ہو، مردے اس طرح خطاب کر کے مزید رنج و غم میں اضافہ کریں کہ "اے دنیا سے آنے والے! کیا تو نے ہم سے نصیحت حاصل نہ کی؟ کیا تو نے نہ دیکھا کہ "ہمارے اعمال کیسے ختم ہوئے اور تجھے عمل کرنے کی مہلت ملی تھی، لیکن افسوس! کہ تو نے وقت ضائع کر دیا[1]"، قبر اس طرح پکار کر مزید دہشت و خوف بڑھا دے کہ "اے زمین پر اترا کر چلنے والے! کیا تو نے مرنے والوں سے عبرت حاصل نہ کی؟ کیا تو نے نہ دیکھا کہ کس طرح تیرے رشتہ داروں کو لوگ اٹھا کر قبروں تک لے گئے؟[2]".... ہزاروں برس اسی طرح عذاب بھگتتے گزر جائیں، صور پھونکا جائے، لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں مُردے اپنی اپنی قبروں سے باہر نکل کر "ندامت و پریشانی و خوف کے عالم" میں بارگاہِ الٰہی کی جانب بڑھنا شروع ہو جائیں، پسینوں پر پسینے آرہے ہوں، گرمی کے مارے برا حال ہو، سائے کے لئے

---

[1] شرح الصدور [2] شرح الصدور

نام بھر کو کوئی جگہ نظر نہ آئے، زبان پیاس سے باہر نکل آئے، سورج آگ برسا رہا ہو، کثرتِ ازدحام کی وجہ سے دھکے لگ رہے ہوں، رش کے باعث سخت حبس محسوس ہو رہا ہو، پسینوں کی بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹ رہا ہو، سابقہ زندگی میں کی گئیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں اور نفس و شیطان کی اطاعتیں... جہنم کے سخت عذاب کی وعید سنا رہی ہوں، جسم کے اعضاء خود آپ کے خلاف گواہی دینے کے لئے بالکل تیار بیٹھے ہوں، انتہائی پریشانی و بے چینی کے عالم میں ہر طرف امداد طلب نگاہوں سے دیکھنے کے باوجود کوئی ہمدرد نظر نہ آئے، اپنی مختصر سی زندگی کی قدر کرنے والوں کو ملنے والے انعامات کو دیکھ کر اپنے کرتوتوں پر شدید افسوس اور خود پر سخت غصہ آئے، اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار و اطاعت گزار بندے اپنے سیدھے ہاتھ میں اعمال نامہ لے کر "روشن چہروں" کے ساتھ جنت کی جانب رواں دواں ہو کر آپ کو "دنیا میں کم عقلی کے ساتھ گزارے ہوئے دنوں کی اہمیت" کا احساس دلا رہے ہوں، اچانک " وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یعنی اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ[1])" کی ندا سنائی دے، فرشتے اللہ عزوجل کے حکم سے آپ کو "انھیں مشرکوں کافروں انگریزوں نافرمانوں اور شیطانوں" کے ساتھ کھڑا کر دیں کہ "جن کی گندی حرکتوں کو دیکھے بغیر سکونِ قلب" حاصل نہ ہوتا تھا، آپ کو بارگاہِ الٰہی میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جائے، سختی کے ساتھ حساب لیا جائے، جہنم کی وعید سناتے ہوئے الٹے ہاتھ میں اعمال نامہ دیدیا جائے، نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پکڑنا پڑ جائے، منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے اور اس وقت سارے عزیز رشتہ دار بھی "آپ کی اس ذلت و رسوائی" کو انتہائی حسرت کے ساتھ ملاحظہ فرما رہے ہوں۔" چنانچہ ہمت

[1] سورہ یٰسین پ ۲۳ آیت ۵۹

کیجئے... ہمت کیجئے... ہمت کیجئے۔..............

اگر آپ نے تھوڑی سی ہمت و کوشش مسلسل جاری رکھی تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد ان تمام بد' عادات سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا" ذہنی سکون، عبادات کی رغبت ، گناہوں سے نفرت ، نورِ قلب اور فکرِ آخرت" جیسے انعامات عطا کئے جائیں گے اور اس طرح آپ اور آپ کے گھر والوں کی آخرت محفوظ ہو جائے گی۔

اس بارے میں آسانی کے حصول کے لئے بہترین صحبت اور اچھا ماحول بے حد ضروری ہے ،پاکیزہ حضرات کی صحبت کی برکت سے دل کی نورانیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر اسی قلبی نورانیت کی برکت سے انسان بڑے بڑے گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً انسان کو صرف اور صرف نیکیوں سے ہی سکون و قرار حاصل ہوتا ہے اور گناہوں کی طرف توجہ یا تو بالکل ہی نہیں جاتی اور یا پھر اگر جاتی بھی ہے تو فوراً" توبہ کی توفیق" اور اللہ تعالیٰ کی طرف "رجوع کی نعمت" حاصل ہو جاتی ہے۔

الحمد للہ عزوجل !" **دعوتِ اسلامی** " کا غیر سیاسی پاکیزہ ماحول ایک ایسا ہی بابرکت ماحول ہے کہ جس سے وابستگی کے کچھ ہی عرصے بعد حیرت انگیز طور پر" غلیظ و بری" چیزوں کی طرف سے دھیان بالکل ہٹ جاتا ہے اور نیکیوں پر استقامت بے حد آسان ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نہ صرف آپ خود اس ماحول کے قریب تشریف لائیں بلکہ دوسروں کی فلاح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انھیں بھی شرکت کی دعوت دیں۔ خصوصاً اگر آپ صاحبِ اولاد ہیں تو" سچی محبت کی

دلیل کے طور پر" انھیں بھی ضرور ضرور اس ماحول کے قریب کیجئے۔

ضمناً عرض ہے کہ "اس ماحول سے وابستگی کے باعث ان شاء اللہ عزوجل نہ تو آپ کے کاروبار کا کوئی نقصان ہوگا، نہ ہی پڑھائی وغیرہ متأثر ہوگی اور نہ کسی کو اس کے گھر والوں سے دور کیا جائے گا ہاں یہ پاکیزہ ماحول آپ کو اس قسم کی سوچ ضرور دے گا کہ "ان تمام کاموں کو شریعت کے دائرے میں رہ کر کیا جائے نیز ان میں مشغولیت اتنی زیادہ نہ بڑھالیں کہ آخرت کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھیں۔"

الحمد للہ عزوجل کراچی سطح پر " **دعوتِ اسلامی** " کا " ہفتہ وار اجتماع" ہر "ہفتے" کے روز، " عالمی مرکز فیضانِ مدینہ سبزی منڈی" منعقد ہوتا ہے، دوسرے شہروں میں رہنے والے حضرات اپنے علاقائی اجتماع کے بارے میں معلومات حاصل فرما کر شرکت کی "مخلصانہ کوشش" فرمائیں۔

آپ کی خدمت میں مزید مدنی التجاء ہے کہ "فوراً ان گناہوں سے توبہ کرلیجئے اور ساتھ ساتھ "تجدیدِ ایمان" اور اگر شادی شدہ ہیں تو "احتیاطاً تجدیدِ نکاح" بھی کرلینا مفید رہے گا۔

نیز یہ حدیثِ پاک بھی ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھئے کہ "حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" اگر تم اپنی جانب سے چھ چیزوں کی ضمانت دو تو میں تمھیں "جنت" کی ضمانت دیتا ہوں۔

﴿پہلی﴾ جب بات کرو، تو سچ بولو، ﴿دوسری﴾ جب وعدہ کرو تو پورا کرو، ﴿تیسری﴾ جب امانت رکھوائی جائے تو اسے واپس کرو، ﴿چوتھی﴾ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، ﴿پانچویں﴾ ناجائز اشیاء (کے دیکھنے) سے اپنی نگاہ

کو روکو اور ﴿چھٹی﴾ اپنے ہاتھوں کو ﴿برے کاموں سے﴾ روکو۔"

(شعب الایمان)

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حقیقی شرم وحیاء وغیرت عطا فرمائے اور "نادان مسلمانوں" کو "موت سے پہلے پہلے" ان "مناظر غلیظہ" سے نجات عطا فرمائے۔"

**امین بجاہ النبی الامین ﷺ**

## ﴿تو اچانک موت کا ہو گا شکار﴾

بے وفا دنیا پہ مت کر اعتبار
تو اچانک موت کا ہو گا شکار

موت آکر ہی رہے گی یاد رکھ !
جان جا کر ہی رہے گی یاد رکھ!

تیری طاقت تیرا فن عہدہ ترا
کچھ نہ کام آئے گا سرمایہ ترا

ہو گیا تجھ سے خدا عزوجل ناراض اگر
قبر سن لے آگ سے جائے گی بھر

فلم دیکھے اور جو گانے سنے
کیل اس کی آنکھ، کانوں میں ٹھکے

فلم بیں کی آنکھ میں دوزخ کی آگ
بعدِ مُردن ہو گی، تو ٹی وی سے بھاگ۔

چھوڑ دے ٹی وی کو ، وی سی آر کو
کر دے یوں راضی شہہِ ابرار کو ﷺ

بینڈ باجوں سے تو کوسوں دور بھاگ
ورنہ دوزخ کی تجھے کھائے گی آگ

تو بھی بھائی دھیان رکھ گھر بار کا
ورنہ ہو گا مستحق تو نار کا

جب ترے ساتھی تجھے چھوڑ آئیں گے
قبر میں کیڑے تجھے کھا جائیں گے

قبر میں تیرا کفن پھٹ جائے گا
یاد رکھ نازک بدن پھٹ جائے گا

آہ! اُبل کر آنکھ بھی بہہ جائے گی
کھال ادھڑ کر قبر میں رہ جائے گی

سانپ ، بچھو قبر میں گر آ گئے !
کیا کرے گا بے عمل گر کھا گئے

کھلکھلا کر ہنس رہا ہے بے خبر
قبر میں روئے گا چیخیں مار کر

کر لے توبہ رب کی رحمت ہے بڑی
قبر میں ورنہ سزا ہو گی کڑی

وقتِ آخر یا خدا ! عطّار کو
خیر سے سرکار ﷺ کا دیدار ہو

﴿امیرِ اہلِ سنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی﴾

نفس پر غلبہ پانے کے سلسلے میں راہنمائی کرنے والی
جداگانہ طرز کی حامل تحریر

# بڑا بھائی

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت ۔ لاہور

# عرض ناشر

علامہ محمد اکمل قادری عطاری مدظلہ العالی کے نبض شناس قلم سے لکھا گیا، نفس اور اسے مغلوب کرنے کی معرفت پر مشتمل ایک بہترین رسالہ "**بڑا بھائی**" آپ کے سامنے ہے۔ان شاء اللہ عزوجل اس میں آپ وہ سب کچھ پائیں گے جو نفس کے بارے میں کسی ایک مقام پر ملنا دشوار ہے۔اس کے مطالعے سے نہ صرف نفس کی پہچان حاصل ہوگی، بلکہ اسے مغلوب کرنے کے طریقے اوراس کے لئے عمل کا جذبہ بھی ملے گا۔

منفرد طرزِ تحریر کے حامل اس رسالے کو خود بھی پڑھئے اور دوسروں کی آخرت کی حفاظت کی نیت سے پڑھنے کی ترغیب بھی دیجئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس رسالے کی برکات سے مکمل طور پر فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

امین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ بمطابق 29 نومبر 2001ء

# فریاد ہے نفس کی بدی سے

اللہ اللہ کے نبی سے
فریاد ہے نفس کی بدی سے

ایمان پر موت بہتر او نفس
تیری ناپاک زندگی سے

تجھ سے جو اٹھائے میں نے صدمے
ایسے ملے نہ کبھی کسی سے

اف رے خود کام بے مروت
پڑتا ہے کام آدمی سے

تو نے ہی کیا خدا سے نادم
تو نے ہی کیا خجل نبی سے

کیسے آقا کا حکم ٹالا (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہم مر مٹے تیری خود سری سے

ہے ظالم میں نباہوں تجھ سے
اللہ بچائے اس گھڑی سے

جو تم کو نہ جانتا ہو حضرت
چالیں چلئے اس اجنبی سے

ہیں پشت پناہ غوث اعظم (رضی اللہ عنہ)
کیوں ڈرتے ہو تم رضاؔ کسی سے

﴿از امام اہلسنت الشاہ مولانا احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن﴾

# نفس وشیطان میں سے زیادہ تباہی کا باعث کون؟

## اور اس پر دلیل

پھر اگر نفس وشیطان میں سے کسی ایک کو زیادہ تباہی کا باعث بننے والا قرار دینا مقصود ہو تو بلا شک وشبہ نفس کو قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ نفس وہ خطرناک بلاء ہے جس نے خود شیطان کے ایمان کو برباد کر دیا تھا۔ جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرما کر تمام فرشتوں کو بمع شیطان سجدہ کرنے کا حکم دیا تو فرشتوں نے فوراً تعمیل کی لیکن شیطان نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندہ درگاہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا، اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۔﴿منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔ (ترجمہ کنزالایمان۔ پ ا۔ البقرۃ۔ ۳۴)﴾

امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ جسوقت شیطان نے انکار کیا تو کوئی دوسرا شیطان تو تھا نہیں جو اسے بہکاتا تو آخر وہ کون سا سبب تھا جس کی بناء پر شیطان بے ایمان ہو گیا؟.... پھر جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ اس کا نفس تھا جس نے اسے سرکشی اور تکبر کی جانب مائل کیا اور تباہی کے گہرے گڑھے میں گرنے پر مجبور کر دیا۔ (منھاج العابدین)

اس دلیل سے معلوم ہوا کہ نفس، ہماری آخرت کے لئے شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ لھذا اسے شیطان کا **بڑا بھائی** قرار دینا بیجا نہ ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفس سے مقابلے اور اسے مغلوب کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے اور اس میں کامیابی کس طرح ممکن ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر مسلمان اس بات پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اخروی تیاری کے لئے بھیجا ہے۔ یہاں تیاری میں کامیابی حاصل کرنے والا بعطائے الٰہی آخرت میں بھی کامیاب وکامران ہوگا، جب کہ یہاں تیاری سے غافل اور اس سلسلے میں سستی کا شکار رہنے والا، اللہ عزوجل کی ناراضگی کی بناء پر، بروزِ قیامت ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اخروی تیاری میں آسانی فراہم کرنے کے لئے مختلف اسباب مہیا فرمائے، وہیں اپنے بندوں کی آزمائش کی خاطر اس راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی کچھ چیزیں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ جنت کی خواہش رکھنے والے سنجیدہ مسلمان کے لئے ان رکاوٹوں کی مکمل معروفت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو عبور کرنے کے طریقے جاننا بھی بے حد ضروری ہے، ورنہ دائمی کامیابی کا حصول تقریباً تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

اگر ان رکاوٹوں کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو چار چیزیں سامنے آئیں گی۔

**(i) دنیا۔ (ii) مخلوق۔ (iii) نفس..اور..(iv) شیطان۔**

پھر ان چاروں میں نفس وشیطان زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ دنیا ومخلوق ظاہری طور پر نگاہوں کے سامنے ہیں، جب کہ یہ دونوں نظروں سے پوشیدہ.... اور یہ واضح بات ہے کہ نگاہوں سے اوجھل دشمن، نظر آنے والے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

اس کے لئے درج ذیل چند چیزیں قابل غور ہیں۔

{1} نفس کی معرفت حاصل کرنا ہوگی کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟.... نیز اس کی جائے قرار کہاں ہے؟....

{2} اس کے وار کرنے کا طریقہ اور ان چیزوں کو جاننا ہوگا جو انسان کو سستی و غفلت کی جانب مائل کرنے کے سلسلے میں اس کی معاونت کرتی ہیں؟....

{3} اس کے وار روکنے اور اسے مکمل طور پر مغلوب کرنے..اور..اس پر ہمیشہ غالب رہنے کے طریقے معلوم کرنا ہوں گے۔....

اب انشاء اللہ تعالیٰ ان تمام امور کو بالتفصیل بیان کیا جائے گا۔

## ﴿1﴾ نفس کی معرفت اور اس کی جائے قرار:۔

شرعی اصطلاح میں روح کو ہی نفس کہا جاتا ہے، مرام الکلام فی عقائد الاسلام میں ہے، **الکلام فی النفس هو المسمی بالروح فی لسان الشـــرع** ۔یعنی نفس کے بارے میں کلام، یہ وہی ہے جسے شریعت کی زبان میں روح کا نام دیا جاتا ہے۔''

اس روح کی حقیقت کیا ہے؟ مرام الکلام میں اس کے بارے میں تین مذاہب نقل کئے گئے ہیں۔

(۱)'' **انه مما استاثره الله بعلمه فلا یجوزالبحث عنه** ۔''یعنی اس کے بارے میں بحث کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جنھیں اللہ عزوجل نے اپنے علم کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

(۲)'' **انه جوهر مجرد لیس حالا فی البدن بل تعلقه به تعلق**

**التصرف والتدبیر فالحیوۃ بھذا التعلق والموت بقطعہ والیہ ذھب الامام حجۃ الاسلام الغزالی** ۔''یعنی یہ ایک جوہر مجرد ہے، جس نے جسم میں حلول نہیں کیا ہوا بلکہ اس کا جسم کے ساتھ تصرف وتدبیر کے اعتبار سے تعلق ہے۔ پس اسی تعلق کے قائم رہنے کی بناء پر زندگی ہے اور اس کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے موت ہے۔ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) اسی کے قائل ہیں۔

(۳)''**انہ جسم لطیف حال فی البدن وھو المشھور عن اھل السنۃ والجماعۃ**۔''یعنی وہ ایک جسم لطیف ہے جس نے بدن میں حلول کیا ہوا ہے۔ اہل سنت والجماعت کی طرف سے یہی مذہب مشہور ہے۔

نفس کی تعریف اور اس کے بارے میں مذہبِ اہلِ سنت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ نفس دراصل روح کا ہی دوسرا نام ہے اور اس کا جائے قرار انسانی بدن ہے۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے نفس کا ذکر اس کی تین صفات کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

## {i} نفس اَمّارَہ:۔

جب یہ اپنی فطرت کے مطابق انسان کو سستی وغفلت و برائی کی جانب مائل کرے تو اسے نفسِ امارہ کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ عالیشان ہے،

''**اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ** ۔ بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔

﴿ترجمۂ کنز الایمان۔پ۱۳۔یوسف ۵۳﴾

**{ii} نفسِ لَوَّامَۃ:۔**

جب کوئی مسلمان نیک اعمال میں کوتاہی.. یا.. کسی برائی کا مرتکب ہوتو بسا اوقات اس کا نفس اسے ملامت کرتا ہے۔اس بناء پراسے نفس لوامہ کہا جاتا ہے۔

یہ سلسلۂ ملامت، نیکیوں کے ارتکاب اور گناہوں سے بچنے پراستقامت پزیر مسلمان میں کثیر اور گناہگاروں میں قلیل ہوتا ہے۔غالباً عرف عام میں نفس لوامہ کو ہی ضمیر کا نام دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔**وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ** ۔اور اس جان کی قسم جو اپنے پر بہت ملامت کرے۔﴿ترجمۂ کنزالایمان۔پ۲۹۔القیامۃ ۲﴾

**{iii} نفسِ مُطْمَئِنَّہ:۔**

جب انسان طویل جدوجہد کے بعد اپنے نفس کواللہ عزوجل کی اطاعت وفرمانبرداری..اور..اس کی رضا پر راضی رہنے کا عادی بنالے تو اب اسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا،

**یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ☆ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ☆ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ☆ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ☆** اے اطمینان والی جان،اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی،وہ تجھ سے راضی۔پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔

﴿ترجمۂ کنزالایمان۔پ۳۰۔البلد ۲۷تا۳۰﴾

**زیرِ بحث قسم:۔**

ان تینوں میں سے زیر بحث **نفسِ امارہ** ہے۔یہی اپنی شرارتوں

میں حد درجہ مہارت کی بناء پر شیطان کا بڑا بھائی قرار دیا گیا ہے، اسی نے اپنے بڑے بھائی کا ایمان برباد کیا اور تا قیامت کثیر مسلمانوں کی تباہی میں اہم کردار بھی ادا کرے گا۔ اس سے کسی بھی قسم کی بھلائی کی امید رکھنا فضول ہے۔ یہ ایک بے رحم دشمن ہے۔ اسکی آفتوں سے محفوظ رہنے کا واحد حل، مقابلے کے ذریعے اسے مغلوب کرنا ہے، ورنہ بصورتِ دیگر اپنے ایمان کو بچانا بے حد مشکل ہوگا۔

## ﴿2﴾ اس کے وار کرنے کا طریقہ اور ان چیزوں کا بیان جو انسان کو سستی وغفلت کی جانب مائل کرنے کے سلسلے میں اس کی معاونت کرتی ہیں......

پہلے یہ بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ

☆ نفس کے غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان سے اپنی ہر قسم کی خواہش، بآسانی، بغیر کسی مزاحمت کے پوری کروالے...اور...

☆ اس کے مغلوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اسے جس بھی خواہش کی تکمیل سے روکنا چاہے.. یا.. جس بھی عبادت کی ادائیگی کا حکم دے، یہ فوراً اطاعت کرے، کسی بھی قسم کی مزاحمت نہ کرے۔

نفس کے غالب و مغلوب ہونے کے اعتبار سے انسانوں کی چار اقسام ہیں۔

(1) جن پر ان کا نفس مکمل طور پر غالب ہوتا ہے، چنانچہ وہ ان سے اپنی جو بھی خواہش پوری کروانا چاہے، بآسانی پوری کروالیتا ہے۔ ایسے لوگ کبھی بھی نیکیوں پر استقامت حاصل نہیں کر پاتے، نیز گناہوں اور فضول کاموں میں ان کی

مشغولیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم کے حضرات معاشرے میں کثیر ہیں۔

(2) جو اپنے نفس پر مکمل طور پر غالب ہوتے ہیں، چنانچہ جس کام سے اسے روکنا چاہیں۔۔ یا۔۔ جس کام کا اسے حکم دیں، فوراً اطاعت کے لئے تیار ہوجاتا ہے، کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتا۔ ایسے لوگ نیک اعمال پر استقامت پذیر اور گناہوں اور فضول کاموں سے بالکل دور نظر آتے ہیں۔ ان کی تعداد فی زمانہ بہت ہی کم ہے۔

(3) جن کے نفوس اکثر ان پر غالب رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی کے سمجھانے کی بناء پر۔۔ یا۔۔ وقتی طور پر کسی اچھی صحبت کی برکت سے کچھ عرصے کے لئے ان کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ ایسے لوگ بعض نیک اعمال پر استقامت حاصل کر لیتے ہیں، لیکن مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کر پاتے۔ یہ بھی معاشرے میں کثیر ہیں لیکن پہلی قسم سے کم۔

(4) جو اکثر اپنے نفوس پر غالب رہتے ہیں۔ لیکن نفس، کبھی کبھی ان سے اپنی خواہشات پوری کروا ہی لیتا ہے۔ ایسے لوگ کئی نیک اعمال پر استقامت پذیر نظر آئیں گے، نیز کثیر گناہوں سے بھی بچ جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی گناہ و فضول کام بھی کر لیتے ہیں۔ یہ بھی معاشرے میں قلیل ہیں، لیکن دوسری قسم سے زیادہ۔

اب یہ بات جانئے کہ

(i) نفس کے وار کا طریقہ وہ نہیں جو عام طور پر ایک دشمن دوسرے دشمن کے لئے اختیار کرتا ہے، بلکہ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ یہ انسان کے جسمانی اعضاء کے ذریعے اپنی خواہشات پوری کرواتا ہے اور اس طرح اسے

اللہ تعالیٰ سے دور اور جہنم سے نزدیک کروا دیتا ہے۔

پھر اس کی خواہشات تین طرح کی ہیں۔

**(۱) حرام یعنی جن کی تکمیل گناہ ہے۔**

مثلاً بد نگاہی اور حرام سننے، حرام بولنے، حرام کھانے اور حرام سوچنے کی خواہش۔

**(۲) جائز یعنی جن کی تکمیل باعثِ ثواب ہو۔**

مثلاً آنکھ، کان، زبان، دل وغیرہ سے کسی نیک کام کی خواہش۔

**(۳) مباح یعنی جن کی تکمیل پر نہ گناہ ہو نہ ثواب:۔**

مثلاً فضول دیکھنے، سننے، کھانے، سوچنے اور بولنے کی خواہش۔

**سوال:۔**

انسان کو بیک وقت نفس، شیطان اور فرشتے کی جانب سے مختلف دعوتیں ملتی رہتی ہیں، ہمیں کس طرح معلوم ہوگا کہ کون سی دعوت نفس کی جانب سے ہے....؟

**جواب:۔**

جو دعوت فرشتے کی جانب سے ملے اسے رحمانی، جو شیطان کی جانب سے ہو اسے شیطانی اور جو نفس کی طرف سے پہنچے اسے نفسانی کہا جاتا ہے۔ ان کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ دعوت کسی نیک کام کی جانب ہو تو اسے رحمانی اور فضول و گناہ پر مشتمل کام کی طرف ہو تو اسے نفسانی و شیطانی کہا جائے گا۔ نفسانی و شیطانی میں فرق اس طرح ہوتا ہے کہ اگر اس دعوت میں جلد بازی شامل ہو تو شیطان کی طرف سے اور اگر اطمینان ہو تو نفس کی جانب سے ہوگی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ نفس کی کچھ خواہشات نیک کام پر بھی مشتمل ہوتی ہیں۔اس میں اور فرشتے کی دعوت میں فرق اس طرح ہوگا کہ اگر نیکی کی جانب ملنے والی یہ دعوت کسی بڑے نیک کام کے مقابلے میں چھوٹے نیک کام کی جانب دی گئی ہے تو نفس کی طرف سے ہے اور اگر کسی دوسرے نیک کام کے مقابلے میں نہیں تو فرشتے کی جانب سے متصور ہوگی۔

مثلاً

☆کسی نے ارادہ کیا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرنی چاہیئے۔اب یہ عمل نفس پر گراں گزرتا ہے۔لھذا فوراً مشورہ دے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی تو بہت افضل ہے،اس کے لئے وضو بھی نہیں کرنا پڑے گا تو پھر اتنی مشقت کیوں گوارا کرتا ہے؟....

☆یوں ہی کسی نے دینی اجتماع میں جانے کی نیت کی تو اسے گھر.. یا.. قریبی مسجد میں نماز وذکر کی ترغیب دے گا۔...............

☆ایک بزرگ نے جہاد پر جانے کا ارادہ فرمایا اور اس کے لئے نفس سے مشورہ طلب کیا،یہ فوراً جانے کے لئے تیار ہو گیا۔آپ نے سوچا کہ نفس تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے،پھر یہ،جہاد کے لئے کیسے مان گیا،یقیناً اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی چال ضرور ہوگی؟...یہی سوچ کر آپ اس سال جہاد پر نہ گئے۔ جب اگلے سال ارادہ ہوا تو پھر نفس سے مشورہ مانگا،یہ اس بار بھی فوراً تیار ہوگیا۔آپ سابقہ سوچ کی بناء پر اس سال بھی نہ گئے۔

جب اگلا سال آیا تو آپ نے پھر ارادۂ جہاد فرمایا،اب کی بار بھی اسے

بالکل تیار پایا۔آپ اس کی اس چال کے نہ پہچاننے کی بناء پر رو پڑے اور اس سلسلے میں بارگاہ الٰہی میں رجوع کیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو عالم کشف میں دکھایا کہ آپ کا نفس آپ کے سامنے ہے،آپ نے اس سے ہر مرتبہ راضی ہونے کی وجہ دریافت کی۔اس نے جواب دیا کہ حضرت !بات دراصل یہ ہے کہ چونکہ آپ میری ہر خواہش کو ردفرما کر مجھے بار بار شدید تکلیف میں مبتلاءفرماتے رہتے ہیں،لھذا میں جہاد کے لئے فوراً تیار ہوجاتا ہوں تاکہ صرف ایک دفعہ قتل کی تکلیف برداشت کر کے آپ کی طرف سے ملنے والی اس مسلسل اذیت سے محفوظ ہوجاؤں''۔

(تذکرۃ الاولیاء)

غرض یہ کہ اگر باطنی لحاظ سے نیکی کا ملنے والا مشورہ کسی بڑے اور مشقت سے بھرپور کام کے مقابلے میں ہوتو اسے من جانبِ نفس تصور کرنا چاہیئے۔اس تفصیل سے اس سوال کا جواب بھی حاصل ہوگیا کہ نفس تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے تو پھر اس کی خواہشات،نیک وپاکیزہ کس طرح ہوسکتی ہیں؟.....

اگر کسی دعوت کے بارے میں یہ معلوم کرنا دشوار محسوس ہو کہ یہ کس کی جانب سے ہے تو اس صورت میں دیکھا جائے کہ جس عمل کی دعوت دی گئی،اس کی تکمیل نفس پر گراں گزر رہی ہے..یا..اس سے باز رہنا۔پس جو صورت نفس کو محبوب ہو اسے من جانب نفس اور دوسری کو من جانبِ رب تصور کریں اور اسی دوسری پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ''جب تجھ پر دو رائے مشتبہ ہو جائیں تو محبوب ترین کو چھوڑ دے اور گراں گزرنے والی کو اختیار کر

لے۔" (ایضاً)

ایک عارف کا فرمان ہے کہ جب ایسا معاملہ درپیش آئے کہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون سی بات درست ہے، تو دیکھو کہ تمہاری خواہش نفس کے قریب ترین کون سی ہے.........پس اسی سے بچو۔ (ایضاً)

**سوال:۔**

جب نفس کی مباح خواہشات کی تکمیل میں گناہ نہیں تو ان سے بچنا کیوں ضروری ہے؟.....

**جواب:۔**

اس لئے کہ جب اس کی مباح خواہشات پوری کر دی جائیں تو پھر یہ صرف ان کی تکمیل پر صبر نہیں کرتا بلکہ اب حرام کاموں کی دعوت دینا شروع کر دیتا ہے۔ چونکہ انسان پہلے نفس کی اطاعت کر کے اسے اپنی بات منوانے کا عادی بنا چکا ہوتا ہے لھذا اب اسے حرام خواہش سے روکنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی بچے کی مباح خواہشات پوری کی جاتی رہیں تو وہ ضدی ہو کر اپنی حرام خواہشات کی تکمیل کے لئے بھی پوری کوشش صرف کر دیتا ہے۔

☆ حضرت لقمان (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، بیٹے! میں سب سے پہلے تجھے تیرے نفس سے ڈراتا ہوں اس لئے کہ ہر نفس کی چند خواہشات اور شہوات ہوتی ہیں، اگر تو نے اس کی خواہش پوری کر دی تو یہ سرکشی کرے گا اور اس کے علاوہ مزید کی طلب کرے گا، اس لئے کہ دل میں شہوت اس طرح چھپی رہتی ہے، جیسے پتھر میں آگ... جب اس پر ضرب

لگائیں تو اس سے شعلہ نکلتا ہے اور چھوڑ دیں تو آگ چھپ جاتی ہے۔ (مکاشفۃ)

☆ایک شاعر کہتا ہے،

**اذا ما اجبت النفس فی کل دعوۃ**

**دعتك الی الامر القبیح المحرم**

(جب تو نفس کی ہر بات مان لے گا تو یہ تجھے حرام اور سخت برے کام کی طرف بلائے گا۔) (ایضاً)

☆ایک اور شاعر کہتا ہے،

**اذا انت لم تعصی الھوی قادك الھوی**

**الی کل ما فیه علیك مقال**

(جب تو خواہش کی نافرمانی نہ کرے گا تو یہ خواہش تجھے ہر اس کام کی طرف لے جائے گی کہ جس پر تجھے اعتراض ہوگا۔) (ایضاً)

﴿ii﴾ جسم کے پانچ اعضاء خاص طور پر اس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں..اور..یہ اکثر انہی کے ذریعے اپنی ہر قسم کی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔

(۱) آنکھ۔ (۲) کان۔ (۳) زبان (۴) شکم۔اور..(۵) دل

## ﴿3﴾ نفس کے وار روکنے، اسے مکمل طور پر مغلوب کرنے..اور.. اس پر ہمیشہ غالب رہنے کا طریقہ...:۔

ماقبل بیان سے ہی واضح ہو چکا کہ نفس کے وار روکنے کا مطلب اس کی خواہشات کی مخالفت کرنا ہے اور مغلوب کرنے سے مراد یہ ہے کہ حرام و ناجائز و مباح ہر قسم کی خواہشات سے روکنے اور نیک اعمال کے حکم کی تعمیل کے سلسلے میں اس کی جانب سے مزاحمت بالکل ختم ہو جائے۔

اسے مغلوب کرنے بلکہ اس کے لئے کوشش شروع کرنے کے لئے درج ذیل امور کی ضرورت ہے۔

## (1) مقابلہ نہ کرنے کے نقصانات پر غور:۔

درجِ ذیل آیات واحادیث واقوال سے مذکورہ نقصانات کو بخوبی جانا جاسکتا ہے۔

{1} اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔

﴿ترجمۂ کنزالایمان۔پ۲۳۔ص۲۶﴾

{2} رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمانِ عالیشان ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔(i) خواہش جس کی پیروی کی جائے۔(ii) بخل جس کو اپنایا جائے۔(iii) انسان خود پر فخر وغرور کرے۔(احیاء العلوم)

{3} ایک حکیم کا قول ہے کہ جس پر نفس کا غلبہ ہوا وہ اس کی شہوات کا قیدی..اور..اس کا دل بھلائیوں سے محروم ہوجائے گا۔جس نے سرزمینِ اعضاء کو شہوات کی خوراک دی اس نے اپنے دل میں ندامت کا پیڑ لگالیا۔(مکاشفۃ القلوب)

{4} حضرت ابوالحسن رازی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے والد کو ان کے انتقال کے دو سال بعد اس حال میں دیکھا کہ ان پر تارکول کا لباس تھا۔پوچھا باباجان! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کی حالت دوزخیوں کی سی دیکھ رہا ہوں؟..... انھوں نے جواباً کہا، ''میرے نفس نے مجھے دوزخ کی سمت دھکیل دیا۔میرے بیٹے! نفس کے دھوکے سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔'' (ایضاً)

(5) ایک شاعر کا قول ہے کہ

**انارۃ العقل مکسوف بطوع ھویٰ**

**وعقل عاصی الھویٰ یزداد تنویرا**

''اتباع خواہش ہی کی بناء پر عقل کی روشنی بجھی ہوئی ہے اور خواہشات کی مخالفت کرنے والے کی عقل کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔'' (ایضاً)

(6) ایک حکیم نے کسی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ''میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر... کیونکہ خواہش، برائیوں کی کنجی اور نیکیوں کی دشمن ہے۔ بعض خواہشیں ایسی بھی ہیں کہ جو تیرے سامنے گناہ کو بھی تقویٰ کے رنگ میں پیش کرتی ہیں۔'' (ایضاً)

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوا کہ نفس کی اطاعت اور اس کے مقابلے سے غافل ہو جانا اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ راستے سے دوری، ہلاکت و بربادی، دنیا و آخرت میں ندامت، دوزخ میں داخلے، عقل کے نور کے خاتمے، برائیوں میں اضافے اور نیکیوں میں کمی کا سبب ہے۔

یقیناً ایک صاحب فہم و فراست مسلمان ان نقصانات کا شکار ہونا کسی بھی صورت میں پسند نہ کرے گا۔......................

## (2) مقابلہ کرنے کے فضائل :۔

اپنے اندر خواہشات کی مخالفت کی ہمت بیدار رکھنے کے لئے نفس کی مخالفت کے فضائل کا بار بار جاننا بے حد ضروری عمل ہے۔ اس ضمن میں چند کلمات پر غور سعادت مندی کی علامت ہے۔

{i} اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ''وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ☆ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ☆ اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

﴿ترجمۂ کنزالایمان۔پ۳۰۔نازعات ۴۱﴾

{ii} رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان عالیشان ہے، ''افضل ترین جہاد نفس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔'' (احیاء العلوم)

{iii} حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں اور میرا نفس ایسے ہیں کہ جیسے بکریوں کا چرواہا ہو کہ ایک طرف کی جمع کرے تو دوسری طرف کی ادھر ادھر بکھر جائیں، جس نے اپنے نفس کو مار لیا وہ رحمت کے کفن میں بند ہوگا اور عزت کی سرزمین میں دفن ہوگا..اور..جس نے دل (یعنی نفس کی خواہش کے خلاف عقل کے مشورے) کو مار دیا وہ لعنت کے کفن میں بند ہوگا اور عذاب کی سرزمین میں دفن کیا جائے گا۔ (ایضاً)

{iv} حضرت سلیمان بن داؤد (رحمۃ اللہ علیہ) کا فرمان ہے، ''نفس پر قابو پانے والا پورا شہر فتح کرنے والے سے زیادہ بہادر ہے۔'' (ایضاً)

{v} منقول ہے کہ شہوت بادشاہوں کو غلام بنا دیتی ہے اور صبر غلاموں کو بادشاہ بنا دیتا ہے۔ (ایضاً)

{vi} مروی ہے کہ کسی مقام پر ایک عیسائی کشف وکرامات کے معاملے میں مشہور ہوگیا۔ایک عالم دین نے یہ سوچ کر کہ اس سے متاثر ہوکر مسلمان، عیسائی مذہب اختیار نہ کرنے لگ جائیں، اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا

اوراس ارادے کی تکمیل کے لئے اپنی آستین میں ایک خنجر چھپا کراس کے گھر پہنچ گئے۔دروازہ بجایا تو اندر سے آواز آئی کہ ''اے مسلمانوں کے عالم! اندر تشریف لایئے اور جو خنجر مجھے قتل کرنے کے لئے آپ نے اپنی آستین میں چھپایا ہوا ہے اسے نکال لیجئے۔''

وہ عالمِ دین اس عیسائی کے اس طرح قتل کے ارادے اور خنجر کے بارے میں خبر دینے سے بہت حیران ہوئے۔اسی عالم حیرانی میں اندر پہنچے اور اس سے سوال کیا کہ ''صحیح صحیح بتا کہ تجھے یہ مقام کس طرح حاصل ہوا؟''...اس نے جواب دیا کہ ''صرف اس وجہ سے کہ میں نے ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کی ہے۔'' عالم نے دریافت کیا کہ ''آئندہ تیرا کیا ارادہ ہے؟''....اس نے جواب دیا کہ ''آئندہ بھی اس پر عمل پیرا رہوں گا۔'' انھوں نے فرمایا ''تو پھر میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔یقیناً تیرا نفس اس کی مخالفت کرے گا، چنانچہ تو بھی حسبِ ارادہ اس کی مخالفت کر اور اسلام قبول کر لے۔'' عیسائی نے اس بات سے لاجواب ہوکر فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔'' (                )

**(3) اگر کوئی مباح خواہش پوری کرنی ہو تو پہلے فیس لینا:۔**

نفس کو حرام خواہشات سے روکنا تو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہی گیا ہے، لیکن جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا گیا کہ اسے حرام خواہشات سے روکنے پر آسانی حاصل کرنے کے لئے اس کی مباح خواہشات کی تکمیل پر پابندی عائد کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔لیکن یقیناً اس عمل پر استقامت کا حصول کم از کم ہم جیسے کمزوروں تو ان لوگوں کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ترین

ضرور ہے۔

ایسی صورت میں یقیناً کوئی ایسی ترکیب اختیار کرنی چاہیئے کہ اس کی مباح خواہشات پوری کرنے کے باوجود بھی نقصان کا شکار نہ ہونا پڑے۔اور وہ ترکیب یہ ہے کہ جب بھی اس کی کوئی مباح خواہش پوری کرنے لگیں تو پہلے عبادت کی فیس طلب فرمائیں،فیس ادا کرنے پر مان جائے تو فیس لے کر خواہش پوری کردیں،ان شاء اللہ عزوجل اس سے قلبی نورانیت میں اضافہ ہی ہوگا،نقصان کا اندیشہ بہت ہی کم ہے..اور..نہ مانے ..یا..پہلے خواہش کی تکمیل اور بعد میں ماننے کا وعدہ کرے تو اب ہرگز ہرگز اس کی بات نہ مانیں۔

مثلاً اس نے ٹھنڈا پانی..یا..گرم گرم چائے پینے....یا....کوئی لذیذ چیز کھانے....یا....لیٹنے وغیرہ کی خواہش کا اظہار کیا۔تو آپ اس سے مخاطب ہوکر فرمائیں کہ ٹھیک ہے میں تیری یہ خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن پہلے تجھے ۱۰۰ مرتبہ درودِ پاک پڑھنا ہوگا..یا..ایک رکوع کی تلاوت کرنا ہوگی..یا..تازہ وضو کرنا ہوگا..یا..دو رکعت نماز پڑھنا ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

جب یہ مان جائے تو پہلے اس طے شدہ عبادت کو ادا فرمائیں اور پھر اس کی خواہش کو پورا کریں۔

ہمارے اکابرین اس معاملے میں اپنے نفس سے کس طرح معاملہ طے فرماتے تھے..اور..اس نفس کشی پر انھیں کس طرح انعامات سے نوازا جاتا تھا،اس کی ایک جھلک درج ذیل واقعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری (رحمۃ اللہ علیہ) شدید خواہش کے

باوجود ۱۰ سال تک اپنے نفس کو لذیذ کھانوں سے روکتے رہے۔ایک مرتبہ عید کی رات نفس نے اس خواہش کے پورا کرنے کا پرزور مطالبہ کیا۔آپ نے اس سے فرمایا کہ اگر تو دو رکعت میں مکمل قرآن پاک ختم کرلے تو میں تیری خواہش پوری کردوں گا۔''نفس نے آپ کی اس شرط کو پورا کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

جب آپ حسبِ شرط ،نماز سے فارغ ہوئے تو خدام سے لذیذ کھانا منگوایا۔لیکن پہلا لقمہ توڑتے ہی ہاتھ کھینچ لیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ جب فارغ ہوئے تو خدام نے کھانا چھوڑنے کی وجہ دریافت کی ۔آپ نے ارشاد فرمایا ''میں نے جیسے ہی لقمہ توڑا نفس نے خوش ہوکر کہا، '' آج دس برس بعد میری خواہش پوری ہو ہی گئی۔'' مجھے اس کا خوش ہونا پسند نہ آیا اور میں نے لقمہ رکھ دیا اور اسے کہا کہ تیری یہ خواہش ہرگز پوری نہ کی جائے گی۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی بہت عمدہ کھانا لے کر حاضر ہوا اور عرض کی حضور! میں ایک غریب شخص ہوں ،میں نے آج صبح اپنے بچوں کے لئے یہ عمدہ کھانا تیار کروایا اور سو گیا۔خواب میں شفیع محشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت سے فیضیاب ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو میدان محشر میں مجھ سے ملاقات کا خواہش مند ہے تو یہ کھانا ذوالنون کو دے آ اور میری طرف سے یہ پیغام دے کہ وقتی طور پر اپنے نفس سے صلح کرکے ایک دو لقمے چکھ لو۔'' حضرت ذوالنون (رحمۃ اللہ علیہ) یہ حکم سن کر عرض گزار ہوئے کہ غلام کو اس حکم کی تکمیل میں کیا دریغ ہوسکتا ہے؟.....پھر آپ نے تھوڑا سا کھانا چکھ لیا۔(تذکرۃ الاولیاء)

## (4) نفس کشی کے سلسلے میں بزرگانِ دین کے واقعات کا مطالعہ کرنا:۔

نفس سے مقابلے، نیز اسے مغلوب کرنے کے سلسلے میں اپنے اکابرین اسلام کے واقعات کا مطالعہ، ایک بہترین معاون ثابت ہوتا ہے، اس ضمن میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

﴿1﴾ مروی ہے کہ حضرت مالک بن دینار (رحمۃ اللہ علیہ) بصرہ کے بازار سے گزر رہے تھے کہ انجیر پر نگاہ پڑی، نفس نے کھانے کی خواہش کا اظہار کیا، آپ نے اپنے جوتے اتار کر دکان دار کو دیئے کہ ان کے بدلے میں انجیر دے دے۔ دکاندار نے کہا کہ یہ تو بے قیمت جوتے ہیں۔ یہ سن کر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

کسی نے اس دکاندار سے کہا نادان! تو انھیں نہیں پہچانتا؟... یہ تو اللہ عزوجل کے ولی حضرت مالک بن دینار (رحمۃ اللہ علیہ) تھے۔ دکاندار کو اپنے جواب پر سخت ندامت ہوئی، اس نے اپنے غلام کے سر پر پورا انجیر کا ٹوکرا رکھا اور کہا کہ اگر حضرت نے تجھ سے اسے قبول فرمالیا تو تو آزاد ہے۔'' غلام حضرت کے پیچھے بھاگا اور قریب جا کر عرض گزار ہوا کہ اسے قبول فرمالیجئے۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ اس نے عرض کی اگر آپ نے اسے قبول کر لیا تو مجھے آزادی مل جائے گی۔ فرمایا، ''تیرے لئے اس میں اگرچہ آزادی ہے، لیکن میرے لئے اس میں سزا ہے، میں نے قسم کھائی ہے کہ انجیر کے بدلے میں اپنا ایمان نہ بیچوں گا اور قیامت تک انجیر نہ کھاؤں گا۔'' (تذکرۃ الاولیاء)

﴿2﴾ آپ ہی کا واقعہ ہے کہ مرض وفات میں شہد اور دودھ کی خواہش پیدا ہوئی تا کہ اس میں گرم روٹی توڑ کر ثرید بنا کر کھائیں۔ آپ نے خادم کو یہ

چیزیں لانے کا کہا۔خادم گیا اور تھوڑی دیر میں مذکورہ چیزیں لے آیا۔آپ نے کچھ دیر ان چیزوں کو دیکھا پھر فرمایا،''اے نفس! تو نے ۳۰ سال تک صبر کیا،اب تیری عمر کی ایک گھڑی باقی ہے تو بے صبری دکھا رہا ہے۔'' یہ کہہ کر پیالہ زمین پر رکھ دیا اور وفات پا گئے۔(ایضاً)

﴿3﴾حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ مداومت کے ساتھ روزہ رکھتے تھے۔ایک مرتبہ موسم گرما کی دھوپ میں بیٹھے مشغول عبادت تھے کہ آپ کی والدہ نے فرمایا یہاں سائے میں آ جاؤ۔لیکن آپ نے عرض کی کہ مجھے اس چیز سے ندامت ہوتی ہے کہ خواہشِ نفس کے لئے کوئی قدم اٹھاؤں۔﴿تذکرۃ الاولیاء﴾

## (5)نفس کشی کرنے والے مسلمان بھائیوں کی صحبت اختیار کرنا:۔

نفس پر غلبہ کے لئے ایک مؤثر قدم یہ بھی ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کی صحبت اختیار کرے کہ جو مسلسل اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر رہا ہو ،کیونکہ ایسے پاکیزہ نفوس کی صحبت غیر محسوس طریقے سے انسان میں خواہشات کی مخالفت کی ہمت وقوت پیدا فرما دیتی ہے اور اس نعمت کا پابندی کے ساتھ حصول نفس پر غالب ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

## (6)بھوکا رہنا اور اس پر بھاری عبادت کا بوجھ لاد دینا:۔

امامِ غزالی(رحمۃ اللہ علیہ)نے نفس کو ایک سرکش گھوڑے کے مشابہہ قرار دیا ہے۔اور سرکش گھوڑے کی سرکشی دو چیزوں سے ختم کی جا سکتی ہے۔

(i)اسے بھوکا رکھا جائے۔(ii)اس بھاری بوجھ لاد دیا جائے۔

پس نفس کو قابو میں کرنے کے لئے ہمیں بھی ان دونوں امور کو اختیار کرنا ہوگا یعنی اسے کثرت سے بھوکا رکھا جائے اور اس پر بھاری عبادات کا بوجھ لاد دیا جائے، ان شاء اللہ کچھ عرصہ بعد اس کی سرکشی مکمل طور پر اطاعت وفرمانبرداری میں تبدیل ہو جائے گی۔

بھوک سے اس کی سرکشی کس طرح ختم ہوتی ہے اس کا اندازہ اس روایت سے لگائیے۔

منقول ہے کہ جب اللہ عزوجل نے نفس کو پیدا فرمایا تو اسے اپنی بارگاہ میں حاضر کیا اور پوچھا، بتا! میں کون ہوں اور تو کون ہے؟... اس نے جواب دیا، **اَنْتَ انت وَاَنَا انا** یعنی تو تو ہے اور میں میں ہوں۔ اس پُرغرور جواب پر اسے چند برس آگ کا عذاب دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے باہر نکالا اور وہی پہلا سوال کیا، اس نے وہی سابقہ جواب دیا۔

یہاں تک کہ اسے جس بھی قسم کے عذاب سے سزا دی گئی، اس نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار نہیں کیا۔ حتی کہ اسے بھوک اور فاقہ کے عذاب میں گرفتار کیا گیا تو اس کا تمام زور جاتا رہا۔ اب جب اس سے وہی سوال کیا گیا تو اس نے عرض کی، "**انت الذی لا الہ الا انت الواحد القہار**... یعنی تو وہی ہے کہ تجھ واحد قہار کے سوا کوئی معبود نہیں۔" (مقاصد السالکین)

لیکن یہاں اس بات کا خاص خیال رہے کہ بھوک کے سلسلے میں درمیانی راستہ اختیار کیا جائے، چنانچہ نہ تو ایسا کریں کہ اسے بالکل بھوک سے دور رکھیں اور نہ یوں کہ اتنا بھوکا رکھا جائے کہ ضعف وناتوانی کی وجہ سے عبادات ہی

ادا نہ کر سکیں۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اخروی راستہ طے کرنے والے سالک کو چاہیئے کہ اعتدال کا راستہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اس لئے کہ اگر پیٹ بھر کر کھائے گا تو فیضِ الٰہی کا راستہ بند ہو جائے گا اور اگر طعام چھوڑ دے گا تو کمزوری و ناتوانی غالب آ جائے گی اور عبادت وکسبِ کمالات وغیرہ سے محروم ہو جائے گا۔ (مقاصد السالکین)

اور محبوبِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا فرمان ہے کہ ایک آدمی کھانا ترک کر دے اور دوسرا چند لذت دار لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لے تو ان دونوں میں دوسرا بہتر ہے، کیونکہ یہ دوسرا طریقہ نفس پر بہت شاق اور ناگوار گزرتا ہے۔ (مقاصد السالکین)

حضرت شیخ سعدی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ

نہ چنداں بخور کزد ھانت بر آید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

﴿یعنی اتنا بھی نہ کھا کہ تیرے منہ سے باہر آنے لگے اور اتنا بھی کم نہ ہو کہ کمزوری کے باعث تیری جان نکلنے لگے۔﴾

حضرت شیخ عبد اللہ مختار ہروی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا، ''تو اس طرح روٹی کھا کہ تو نے اسے کھایا ہو نہ کہ اس نے تجھ کو۔ کیونکہ اگر تو نے اسے کھایا تو سب کا سب نور ہو جائے گا اور اگر اس نے تجھے کھالیا تو سب کا سب دھواں ہو جائے گا۔'' (مقاصد السالکین)

عبادت کے بوجھ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ اگر سابقہ زندگی کی قضا نمازیں باقی ہوں تو روزانہ ان کی کچھ نہ کچھ مقدار کی ادائیگی خود پر لازم کرلیں اور اگر فرائض باقی نہ ہوں تو نفل نمازوں مثلاً چاشت، اشراق اور اوابین وغیرہ کی پابندی رکھیں۔ یوں ہی روزے باقی ہوں تو انھیں بھی ہر ہفتے میں کم از کم ایک ادا کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ورنہ نفل روزوں کی عادت ڈالیں۔ یوں ہی ذکر واذکار بھی کثرت سے کرنے کی کوشش جاری رہنی چاہیئے۔

رمضان المبارک کے مہینے میں دن میں روزہ اور رات میں ۲۰ رکعت تراویح مقرر کرنے میں اس حکمت کا ظہور بھی نظر آتا ہے۔

**(7) روزانہ رات کو سونے سے قبل نفس کا محاسبہ کریں۔ اور غلبہ ثابت ہونے صورت میں اس کے لئے سزا مقرر فرمائیں:۔**

سعادت مندی کے حصول کے متمنی مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے کہ رات کو بستر پر لیٹے تو سونے سے قبل تمام دن کا حساب وکتاب ضرور کرے۔ یعنی اس طرح کہ آج میں نے نفس سے کتنی باتیں منوائیں اور کتنی خواہشات میں نفس مجھ پر غالب رہا۔

پھر جن باتوں میں نفس کا غلبہ ثابت ہوجائے ان پر اس کے لئے سزائیں مقرر فرمائیں۔ مثلاً محاسبہ کرنے پر معلوم ہوا کہ آج دن میں بدنگاہی سرزد ہوگئی تھی.. یا.. نفس کی کوئی مباح خواہش بغیر فیس لئے پوری کردی تھی تو اب اس کے لئے کوئی نہ کوئی سزا ضرور مقرر فرمائیں جیسے ایک روزہ.. یا.. دو رکعت نماز

..یا..درودِ پاک..یا..تازہ وضو..یا..قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ۔

حضرت میمون بن مہران (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ بندہ متقین میں سے جب ہی ہوسکتا ہے کہ وہ (تجارت وغیرہ میں) شریک سے زیادہ اپنا محاسبہ کرے۔ (مکاشفۃ القلوب)

آپ ہی کا فرمان ہے کہ "متقی آدمی اپنے نفس کا ایک ظالم بادشاہ اور کنجوس شریک سے زیادہ محاسبہ کرتا ہے۔" (مکاشفۃ القلوب)

حضرت حسن (رحمۃ اللہ علیہ) کا فرمان ہے، "مؤمن اپنے نفس پر خوب دھیان رکھتا ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ بے شک جس قوم نے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لیا، آخرت میں اس کا حساب آسان ہو گیا۔" (مکاشفۃ القلوب)

ہمارے اسلافِ کرام کس طرح اپنا محاسبہ کر کے سزا مقرر کیا کرتے تھے، اس کے لئے درج ذیل روایات کا بغور مطالعہ فرمائیں۔

☆ منقول ہے کہ جب رات آتی تو حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) اپنے پاؤں پر درے مارتے اور اپنے نفس سے فرماتے، تو نے آج کیا کام کیا ہے؟ (کیمیائے سعادت)

☆ حضرت مالک بن دینار (رحمۃ اللہ علیہ) چراغ کے پاس آتے اور اپنی انگلی شعلے کے قریب تر لے جاتے۔ جب آگ کی تپش محسوس ہوتی تو خود سے فرماتے، "اے حنیف! آج تو نے یہ کام کیوں کیا؟..اور..فلاں دن فلاں کام کیوں کیا تھا؟" (مکاشفۃ القلوب)

☆ابن الکریبی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ "ایک رات مجھے احتلام ہوگیا۔ میں نے چاہا کہ اسی وقت غسل کرلوں۔ رات بہت سرد تھی، میرے نفس نے سستی کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ اس سرد رات میں نہا کر خود کو ہلاک مت کر، صبح تک انتظار کرلے، حمام میں جا کر غسل کرلینا۔" تب میں نے نفس کو اس سستی پر سزا دینے کے لئے قسم کھائی کہ میں اسی وقت مع کپڑوں کے نہاؤں گا اور نہانے کے بعد کپڑوں کو نچوڑوں گا بھی نہیں، انھیں اپنے بدن پر ہی خشک کروں گا۔ پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ (کیمیائے سعادت)

☆ایک شخص کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے کسی عورت پر نگاہ ڈالی۔ پھر فوراً پشیمان ہوا اور قسم کھائی کہ اب بطورِ سزا کبھی بھی ٹھنڈا پانی نہیں پیوں گا۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ (کیمیاءِ سعادت)

☆حضرت حسان بن سنان (رحمۃ اللہ علیہ) ایک عمارت کے پاس سے گزرے تو کسی سے پوچھا کہ یہ عمارت کس نے بنوائی ہے؟... پھر فوراً اپنا محاسبہ کرتے ہوئے خود سے فرمایا، "تجھے اس بات سے کیا سروکار کہ یہ عمارت کس نے بنوائی ہے۔ جس چیز سے تجھے تعلق نہیں اس کے بارے میں کیوں پوچھتا ہے؟... واللہ! اس کی سزا یہ ہے کہ تو سال بھر تک روزے رکھے۔" پھر آپ نے فقط ایک فضول سوال کی سزا میں سال بھر تک روزے رکھے۔ (کیمیائے سعادت)

☆حضرت ابوطلحہ (رحمۃ اللہ علیہ) ایک نخلستان میں نماز پڑھ رہے تھے، دورانِ نماز، نخلستان کی خوبصورتی میں انہماک کی وجہ سے یہ بھول گئے کہ کتنی

رکعات ادا کی ہیں۔تب آپ نے وہ نخلستان بطورِ کفارہ خیرات کر دیا۔

(کیمیائے سعادت)

☆حضرت مالک ابن ضیغم (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت ریاح القیسی (رحمۃ اللہ علیہ) میرے والد سے ملنے تشریف لائے۔میں نے کہا وہ سو رہے ہیں۔یہ سن کر آپ نے فرمایا، ''یہ وقت تو سونے کا نہیں۔'' یہ کہہ کر بڑبڑاتے ہوئے واپس چل پڑے۔میں نے قریب جا کر سنا آپ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے، ''اے ابوالفضول! تو نے یہ کیوں کہا کہ یہ وقت سونے کا نہیں ہے؟ تجھے اس بات سے کیا کام؟...اب تیری سزا ہے کہ ایک سال تک تجھے سونے نہ دوں۔کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا؟''...یہ کہتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔(کیمیائے سعادت)

☆مجمع نامی ایک بزرگ کی نگاہ اوپر اٹھی تو چھت پر کھڑی ایک عورت پر پڑ گئی۔تب آپ نے عہد کر لیا کہ اب تمام زندگی آسمان کی جانب نہیں دیکھوں گا۔(کیمیائے سعادت)

☆حضرت احنف بن قیس (رحمۃ اللہ علیہ) رات کو چراغ ہاتھ میں اٹھا لیتے اور بیچ کی انگلی اس کی لو پر رکھ کر فرماتے تو نے فلاں روز یہ کام کیوں کیا تھا؟...اور...فلاں چیز کیوں کھائی تھی؟...(کیمیائے سعادت)

## (8)ڈرانا اور لالچ میں مبتلاء کرنا:۔

علماءِ اسلام نے نفس کی فطرت کو ایک بچے کی فطرت کی مثل قرار دیا ہے۔چنانچہ جیسے بچے کو کسی کام کی طرف مائل کرنے کے لئے کبھی پیار و شفقت و محبت اور انعام کے لالچ کا اور کبھی سختی و سزا اور ڈرانے دھمکانے کا

سلسلہ سہارالیا جاتا ہے، بلکہ اسی طرح اسے بھی مغلوب کرنے اور اپنی اطاعت کی جانب مائل کرنے کے لئے ان دونوں طریقوں کو بھی اختیار کرنا چاہیئے۔اس کے لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ایسی آیات واحادیث کریمہ کا کثرت کے ساتھ مطالعہ کرے..یا..دوسروں سے سنے کہ جن میں جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے سخت عذاب کا بیان کیا گیا ہو۔ان شاءاللہ عزوجل اس کا فائدہ بہت جلد ظاہر ہوگا۔

## آخری عرض

مطالعہ فرمانے والے تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ خوب ہمت وجرأت کے ساتھ اس نیک کام کی ابتداء فرمادیں۔ کہیں اس سلسلے میں انتظار وسستی کسی بڑے نقصان کا شکار نہ کروادے............

یہ ضروری نہیں کہ آپ یک دم اپنے اوپر بے حد سختی شروع کردیں، کیونکہ عموماً اس طرح جلد بازی کے باعث نفس کشی پر استقامت نہیں رہتی۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اولاً تھوڑی تھوڑی مخالفت شروع فرمائیں اور پھر آہستہ آہستہ اس میں اضافہ کرتے رہیں۔

مثلاً پہلے ایک ہفتے تک روزانہ نفس کی کم ازکم تین خواہشات کی مخالفت کریں۔پھر اگلے ہفتے میں چھ کی، پھر اس سے اگلے میں نو کی....غرض اسی طرح ۲،۲..یا..۳،۳ خواہشات کے رد کا اضافہ فرماتے رہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حالات وناگہانی واقعات کی بناء پر یہ سلسلہ وقتی طور پر منقطع ہوجائے مثلاً گھر میں کوئی شادی بیاہ کی مصروفیات کے سبب..یا..کسی کے

انتقال کے باعث.. یا.. طبیعت وغیرہ کی خرابی کی وجہ سے یہ سلسلہ رک گیا تو دوبارہ شروع کرنے میں بالکل دیر نہ لگائیں اور پھر دوبارہ نئے سرے سے سلسلہ ٔ مخالفت کی ابتداء فرمادیں۔

یقیناً دوبارہ مخالفت شروع کرنے کی صورت میں نفس اپنی پوری قوت صرف کردے گا کسی طرح آپ کو مایوسی کا شکار کرواکر اس عمل سے روک دے، لیکن آپ اس کی ایک بھی نہ سنئے گا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین رکھ کر پھر ہمت کیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے۔''

(کنزالایمان۔پ۲۱۔العنکبوت۔۶۹)

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے اکابرین کی سنت کے مطابق نفس سے جہاد کرتے رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ امین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

ماں کی عظمت واہمیت سے روشناس کروانے والی
ایک حساس وپراثر تحریر

# ٹھنڈی چھاؤں

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ لاہور

# عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے حبیبِ پاک ﷺ کی کرم نوازیوں کے صدقے میں معاشرے سے برائیوں کے خاتمے کے سلسلے میں کوشش کرنے والوں میں مکتبہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) کے اراکین بھی پیش پیش ہیں۔

اس سلسلے میں رسالۂ ھذا سے قبل بھی بہت سی قابلِ مطالعہ تحریریں منظرِ عام پر لانے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ عزوجل تا قیامت جاری وساری رہے گا۔

حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا معاملہ بھی بہت اہم ہے۔ بلکہ معافی کے اعتبار سے اس میں پیچیدگیاں زیادہ دکھائی دیتی ہیں۔ لھذا عقل مند انسان کو چاہیئے کہ اس معاملے میں حتی الامکان احتیاط کے ساتھ کام لے۔ ضروری ہے کہ قریب رہنے والوں کے حقوق کی مکمل تفصیل معلوم کی جائے اور ان حقوق کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

یہ رسالہ اسی غرض سے تحریر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ماں کے حقوق کی ادائیگی میں عموماً سستی وغفلت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا سبب ماں کی عظمت سے ناواقفی ہوتی ہے، لھذا ہر مسلمان بھائی اور بہن کو اس رسالے کا مطالعہ کر کے ماں کی عظمت واہمیت کو جاننے اور پھر اس کی روشنی میں اپنے عمل کو درست کرنے کی کوشش لازم سمجھنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس رسالے سے مکمل طور پر فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

خادمِ مکتبۂ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل

۱۰ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ بمطابق 1 ستمبر 2001

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## باعثِ سکون، ذات و نام:۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں کہ جن سے قلبِ انسانی سکون و اطمینان حاصل کرتا رہتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی ذات اور ذکر کے بعد غالباً جو چیز سب سے زیادہ سکون کا باعث بنتی ہے، اسے ''**ماں**'' کا نام دیا جاتا ہے۔

ماں کی ذات سے قطعِ نظر صرف اس لفظ کو ہی دیکھئے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کس قدر چاشنی رکھی ہے، آپ ایک مرتبہ اپنی والدہ کا تصور باندھ کر ماں کہہ کر دیکھئے، ایسا محسوس ہوگا کہ کسی نے منہ میں شہد گھول دیا ہے۔ جس ذات کا فقط تصور ہی باطنی طور پر خوشی و مسرت و سکون کا سبب بن جاتا ہو، اس کے وجود میں کس قدر سکون پنہاں ہوگا؟..................

اگر اس کا اندازہ کرنا چاہیں تو جب کبھی دل بہت اداس ہو اپنی والدہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جائیے۔ جب ماں اپنے پیار بھرے ہاتھوں سے سر کو سہلائے گی تو یوں محسوس ہوگا کہ ایک بہت بھاری بوجھ تھا جو اس عظیم ہستی کے قدموں پر سر رکھنے کی برکت سے دور ہو گیا ہے۔ ہر قسم کی فکر راہِ فرار اختیار کرتی نظر آئے گی اور دل چاہے گا کہ یہ لمحات کبھی بھی ختم نہ ہوں۔

## ماں کی کمزوری:۔

باپ کی بہ نسبت، ماں کو کمزور بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات اس کی عظمت سے بے خبر اولاد فقط کمزوری پر نگاہ رکھتے ہوئے اس سے اس قسم کا سلوک کرتی نظر آتی ہے جو کسی بھی لحاظ سے شریعت کو پسند نہیں۔

## شریعت کی جانب سے ماں کی عظمت کا بیان:۔

ماں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے روکنے کے لئے شریعت نے اس کی عظمت کو کئی لحاظ سے بیان فرمایا ہے......کہیں اس کے احسانات یاد دلائے گئے......تو کسی مقام پر خدمت کی ترغیب اور اس پر ثواب وتعریف کا بیان ہے.....کسی جگہ اس کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے.....تو کہیں نافرمانی پر عذاب کی وعیدیں ذکر کردی گئیں۔

ماں کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے اس قدر بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شریعت اس معاملے میں اولاد کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی کو پسند نہیں فرماتی، یہ اہتمام اس عظیم شخصیت کی عظمت پر بہت زبردست دلیل ہے۔

## ماں کے احسانات کا بیان:۔

اگر اس کے احسانات کے بارے میں جاننے کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں تو کئی مقامات پر اس کا واضح بیان موجود ہے۔ مثلاً

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا، ''**وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ج حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ط اِلَيَّ الْمَصِيْرُ**☆یعنی اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔'' (ترجمۂ کنزالایمان۔پ۲۱۔لقمٰن۔۱۴)

مذکورہ آیت میں اولاً ماں باپ دونوں کے بارے میں فرمانبرداری کی تاکید ہے، پھر خصوصاً ماں کے احسانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زمانۂ حمل

اور دودھ پلانے کا تذکرہ فرمایا۔ یوں تو ماں کی پوری زندگی ہی اولاد پر احسانات کی بارشیں برساتے گزرتی ہے لیکن ان دو چیزوں کا خاص طور پر اسلئے ذکر کیا گیا کہ یہ دو'ادوار' ماں کے لئے بے حد آزمائش و تکلیف کا سبب بنتے ہیں۔ کیونکہ دورانِ حمل، 6 سے 9 ماہ تک ماں کو بے شمار تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کی تفصیل عام مشاہدے کے ذریعے جانی جاسکتی ہے، اور دودھ پلانے کا مطلب دوسال تک اپنا خونِ جگر پلانا ہے۔ جس سے ماں کو بے حد ضعف کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

اور پھر آخر میں اپنے حق کے ساتھ ساتھ ماں باپ کا حق ماننے کا حکم فرمانا، ان دونوں کی عظمت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا، ''**وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهٗ وَ فِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط**۔ اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔''

(ترجمۂ کنزالایمان۔ پ۲۶۔ احقاف۔ ۱۵)

اس آیتِ پاک میں بھی ماں کے 'دورانِ حمل اور بچہ پیدا ہوتے وقت تکالیف برداشت کرنے اور پھر طویل عرصہ تک دودھ پلانے کا احسان یاد دلایا گیا ہے۔

احادیثِ کریمہ میں بھی ماں کے احسانات کو کئی مقام پر یاد دلایا گیا ہے چنانچہ

☆ مروی ہے کہ ایک صحابی نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم

)! ایک مرتبہ میں اپنی والدہ کو اپنی گردن پر سوار کر کے ایک اتنے گرم راستے پر چھ میل تک چلا ہوں کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا ڈالا جائے تو وہ بھی بھن کر کباب بن جاتا تو کیا میں نے اپنی ماں کی خدمت کا حق ادا کر دیا؟'' رحمتِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''تیرے پیدا ہوتے وقت تیری ماں نے درد کے جو جھٹکے سہے تھے، یہ خدمت شائد ان میں سے کسی ایک کا بدلہ ہو سکے۔'' (طبرانی)

سبحان اللہ! قربان جائیے، ہمارے پیارے آقا ﷺ کی حکمت ودانائی کہ آپ نے فقط ایک جملے کے ذریعے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو یہ بات سمجھا دی اگر تم پوری زندگی بھی ماں کی سخت ترین خدمت کرتے رہے تب بھی اس کی خدمات واحسانات کا بدلہ اتارنا ممکن نہیں۔

اس روایت سے وہ مسلمان بھائی خصوصی درس حاصل فرمائیں، جو کمانے کے قابل ہو کر چند ٹکے ماں کے ہاتھ پر رکھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کی تمام خدمات کا حق ادا کر دیا............

☆ اور پھر ماں کے احسانات کو بھلا کر اپنے کارناموں کا ذکر بار بار کرنا اور خود کو ماں سے بلند وبرتر اور اسے حقیر وکمتر تصور کرنا شروع کر دیتے ہیں.................

☆ نیز یہ توقع رکھتے ہیں کہ اب ماں ہمارے احسان کو مان کر ہم سے مرعوب رہے.................

اور پھر انہی خیالاتِ فاسدہ کی بناء پر ان کے لب ولہجے میں فرق نمایاں ہو جاتا ہے چنانچہ،

☆ پہلے لہجے میں نرمی ہوا کرتی تھی تو اب سختی وجھڑک نظر آتی ہے.................

☆ پہلے ماں کے فیصلوں کو فوقیت دی جاتی تھی، لیکن اب اپنے فیصلوں کو تسلیم کرانا لازم سمجھا جاتا ہے............

☆ پہلے ماں کا کہا اچھا لگتا تھا، اب سمجھانا برا اور طبیعت پر بوجھ محسوس ہوتا ہے............

☆ پہلے ماں کی تکالیف پر بے چین ہو جاتے تھے، لیکن اب خود بات بات میں ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے قلبی تکلیف واذیت کا سبب بنتے رہتے ہیں............

اس قسم کے حضرات کو موت سے پہلے پہلے اپنے رویئے پر نظرِ ثانی فرما کر اصلاح کی کوشش کر لینی چاہیئے ورنہ انجام کی خرابی بھی مقدر بن سکتی ہے۔

ایسے حضرات کو ضمناً درجِ ذیل روایت کو بھی ہمیشہ ذہن نشین رکھنا بھی بے حد نفع بخش رہے گا۔ چنانچہ

☆ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی ماں کو کندھے پر سوار کر کے 7 حج کرائے، ساتویں مرتبہ خیال آیا کہ یقیناً اب تو میں نے اپنی ماں کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ رات کو سویا تو دیکھا کہ خواب میں کوئی کہہ رہا ہے کہ ''ایک سخت سردیوں کی رات تھی، تو بچپن میں اپنی ماں کے پاس سویا ہوا تھا، سوتے سوتے تو نے پیشاب کر دیا تھا، تیری ماں نے سخت سردی کے باوجود بستر دھویا، غربت کی وجہ سے کوئی دوسرا بستر نہ تھا، چنانچہ وہ کڑکتی سردی کے باوجود اسی گیلے بستر پر لیٹ گئی اور تجھ کو رات بھر اپنے سینے پر لٹائے رکھا، تو کہتا ہے کہ کہ میں نے ماں کی خدمات کا حق ادا کر دیا ارے نادان! ابھی تو، تو اس ایک رات کا حق بھی ادا نہیں کر پایا..........۔'' (تعلیم الاخلاق)

## ماں کی خدمت کی ترغیب کا بیان:۔

اور اگر ماں کی خدمات کی جانب مائل کرنے کے اعتبار سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو بھی کثیر مقامات پر اس کے بارے میں واضح بیانات دیکھے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ''**وَبِا لْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا**۔ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔'' (ترجمہ کنزالایمان۔پ ا۔بقرہ۸۳)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے، ''**وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا**۔ اور ہم نے آدمی کوتاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی۔''

(ترجمۂ کنزالایمان۔پ۲۰۔عنکبوت۸)

ایک اور مقام پر صراحۃً اسکا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

**وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ☆ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا**۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انھیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔ (ترجمۂ کنزالایمان۔پ۱۵۔بنی اسرائیل۔۲۳۔۲۴)

اس آیتِ کریمہ میں خصوصا بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس عمر میں ماں باپ، اولاد کی خدمات اور توجہ کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، یہ مطلب ہر

گر نہیں کہ صرف بڑھاپے میں مذکورہ احکام کو پورا کیا جائے، اس کے علاوہ عمر میں نہیں۔

حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کی عمدہ صفات کا ذکر فرماتے ہوئے ماں باپ کی خدمت کو بھی انھیں میں سے شمار فرمایا، چنانچہ ارشاد ہوا، ''وَ بَرًّا بِوَالِدَیْهِ۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا تھا۔''

(ترجمۂ کنزالایمان۔ پ ۱۶۔ مریم:۱۴)

رحمتِ عالم ﷺ نے بھی مختلف مقامات پر ماں کی خدمت کا حکم اور ترغیب ارشاد فرمائی۔ چنانچہ

☆ مروی ہے کہ ایک صحابی نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں کس کے ساتھ احسان کروں؟'' فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' عرض کی ''پھر کس کے ساتھ؟'' فرمایا ''اپنے ماں کے ساتھ۔'' عرض کی ''پھر کس کے ساتھ؟'' فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' عرض کی ''پھر کس کے ساتھ؟'' فرمایا ''اپنے باپ کے ساتھ، پھر جو اس سے قریب ہے، پھر جو اس سے قریب ہے۔'' (ترمذی)

**نوٹ:۔**

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے۔ اسی دلیل کے تحت اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں، ''اگر کسی کے پاس سو روپے ہیں تو باپ کو 25 دے اور ماں کو 75.. یا.. ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو.. یا.. دونوں سفر سے آئے ہوں تو پہلے ماں کے پاؤں دبائے اور پھر باپ کے۔'' (فتاوی رضویہ قدیم۔ جلد دہم)

☆ حضرت جاہمہ (رضی اللہ عنہ)، پیارے آقا ﷺ کی خدمتِ اقدس

میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے جہاد میں جانے کے لئے مشورہ مانگا تو رحمتِ عالم ﷺ نے پوچھا کہ، ''کیا تیری ماں زندہ ہے؟'' آپ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کی، ''جی ہاں!'' حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''اس کی خدمت لازم کر لے، جنت اس کے قدموں کے پاس ہے۔''

(مسند امام احمد بن حنبل)

☆ سرکارِ مدینہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہوکر عرض کی ،''کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں، مگر اس پر قادر نہیں۔'' نبی اکرم ﷺ نے سوال کیا کہ،''کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟'' اس نے عرض کی کہ،''میری ماں ہے۔'' تو آپ نے فرمایا کہ،''تُو اس کے ساتھ نیکی کر، اگر تو یہ کرے تو حج کرنے والا، عمرہ کرنے والا، اور جہاد کرنے والا ہے۔'' (احیاء العلوم)

☆ سلطانِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ،''اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ (یعنی وہ ذلیل ہوجائے۔)'' صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی،''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کسی کی؟'' ارشاد فرمایا،''اس کی جو اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ جائے۔'' (مسلم)

ان آیات واحادیثِ کریمہ سے وہ مسلمان بھائی اور بہنیں درسِ ہدایت حاصل فرمائیں کہ جو والدین اور خصوصا ماں کی خدمت کو بوجھ تصور کرتے ہوئے کبھی تو خدمت سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور کبھی غیر مخلصانہ خدمت پر طعنہ زنی کرتے ہوئے ثواب کو ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

نیز ان حضرات کے بے شمار فضائل سے محروم ہوجانے پر بھی شدید افسوس ہے کہ جو شادی ہوتے ہی والدین سے علیحدہ رہائش اختیار کرنے

کو فوقیت دیتے ہیں، شائد ان کے پیشِ نظر صرف دنیا کے چند دنوں کی سہولت وآسانی ہوتی ہے...... ماں باپ کی خدمت اور ان کی طرف سے پہنچنے والی خلافِ مرضی باتوں پر صبر کے ثواب کے بدلے میں ملنے والی اخروی نعمتوں کا حصول یاد نہیں رہتا۔ ایسے حضرات بسا اوقات، اپنے آپ کو اس طرح مطمئن کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جی ہم پیسوں وغیرہ کے ذریعے والدین کا خیال رکھتے ہیں.. یا.. کسی دوسرے بھائی بہن کو ان کی خدمت کرتا دیکھ کر اپنے آپ کو ہر قسم کی ذمہ داری سے بری الذمہ محسوس کرتے ہیں۔

**کاش!** ایسے مسلمان بھائی، درجِ ذیل روایات کو خوب غور سے پڑھ کر ان کے تقاضوں کے مطابق اپنی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ چنانچہ

☆ سلطانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، ''جو یہ چاہے کہ اس کی عمر طویل ہو اور اس کی روزی میں فراخی ہو، وہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور صلہ رحمی کرے۔'' (مکاشفۃ القلوب)

☆ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا 'فرمانِ عالی شان ہے کہ، ''اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، تمہاری اولاد، تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے گی۔''

(مکاشفۃ القلوب)

☆ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، ''والدین کے ساتھ بھلائی کرنا نماز، صدقہ، روزہ، حج، عمرہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے افضل ہے۔'' (مکاشفۃ القلوب)

☆ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کے ایک بھائی تھے۔ آپ دونوں بھائیوں میں طے تھا کہ ایک بھائی ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تو دوسرا

بھائی ماں کی خدمت کرتا۔ جب دوسری رات آتی تو ماں کی خدمت کرنے والا بھائی، عبادت اور عبادت کرنے والا بھائی، ماں کی خدمت کرتا۔

ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی کی باری ماں کی خدمت کرنے کی تھی تو آپ کے بھائی نے کہا کہ "اگر آج آپ ماں کی خدمت کرلیں تو میں رات کو عبادت کرلوں۔" آپ نے اجازت دے دی اور خود ماں کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے بھائی نے جونہی عبادت شروع کی تو ایک غیبی نداء سنائی دی کہ "ہم نے تمہارے بھائی کے ساتھ ساتھ تمہیں بھی اس کے طفیل بخش دیا۔" یہ سن کر انہیں بہت حیرت ہوئی اور انہوں نے عرض کی کہ "یاالٰہی! میں تو تیری عبادت کررہا ہوں اور میرا بھائی ماں کی خدمت کررہا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ میری مغفرت کرنے کے بجائے، اس کی مغفرت کرکے مجھے اس کا طفیلی بنایا گیا؟" نداء آئی کہ "ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں، بلکہ محتاج ماں کی خدمت کرنے والے کی اطاعت ہمارے لئے باعثِ خوشنودی ہے۔"

☆ حضرت محمد علی حکیم ترمذی (رحمہ اللہ) نے اپنی جوانی کے زمانے میں دو ساتھیوں کو اس بات پر تیار کیا کہ کسی دوسرے مقام پر جاکر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ آپ (رحمہ اللہ) کے دونوں دوست اس کے لئے تیار ہوگئے لیکن پھر آپ کو بوڑھی ماں کی خدمت کی وجہ سے اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا، چنانچہ آپ کے دونوں ساتھی بغرضِ تعلیم روانہ ہوگئے۔

آپ تعلیم سے محروم رہ جانے کی وجہ سے اتنے غمگین ہوئے کہ روزانہ قبرستان جاتے اور وہاں گریہ زاری کرتے اور سوچتے کہ جب میرے ساتھی تعلیم حاصل کرکے واپس آئیں گے تو مجھے یقیناً ان کے سامنے ندامت ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ کی ماں کی خدمت کی وجہ سے تعلیم سے دور رہنا اتنا پسند آیا کہ

حضرت خضر علیہ السلام کو آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت خضر (علیہ السلام) نے آپ کے پاس آ کر فرمایا، ''روزانہ مجھ سے اس جگہ آ کر تعلیم حاصل کر لیا کرو، پھر ان شاء اللہ کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہو گے۔

اس کے بعد آپ نے مسلسل تین سال تک تعلیم حاصل کر کے بہت بلند مقام حاصل کیا اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے استاذ، حضرت خضر (علیہ السلام) ہیں تو آپ کو مکمل یقین ہو گیا کہ ایسا صاحبِ مرتبہ استاذ مجھے والدہ کی خدمت کی وجہ سے ملا ہے۔''

☆ حضرت بایزید بسطامی (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ، ''ایک مرتبہ میری والدہ نے رات کو پانی مانگا لیکن اتفاقاً اس وقت گھر میں بالکل پانی نہ تھا۔ چنانچہ میں گھڑا لے کر نہر سے پانی لایا مگر واپس آنے میں دیر ہونے کی وجہ سے والدہ کو پھر نیند آ گئی۔ میں رات بھر ان کے سرہانے پانی لے کر کھڑا رہا۔ اس رات بہت سخت سردی تھی، حتی کہ پیالے میں موجود پانی بھی سردی کی وجہ سے منجمد ہو گیا۔

جب والدہ جاگیں تو میں نے انہیں پانی پیش کیا۔ والدہ نے فرمایا کہ ''اتنی دیر کھڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پانی رکھ دیا ہوتا۔'' میں نے عرض کی، ''میں اس خوف سے کھڑا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بیدار ہوں اور پانی نہ پائیں تو آپ کو تکلیف ہو۔'' یہ سن کر میری والدہ نے مجھے بہت دعائیں دیں۔

اسی طرح ایک رات والدہ نے مجھے حکم دیا کہ ''دروازے کا ایک پٹ کھول دو۔'' لیکن میں رات بھر اسی پریشانی میں کھڑا رہا کہ دایاں پٹ کھولوں یا بایاں؟ کیونکہ اگر ان کی مرضی کے بغیر غلط پٹ کھل گیا تو حکم عدولی میں شمار ہو گا۔'' چنانچہ انہیں خدمتوں کی برکت سے مجھے یہ مراتب حاصل ہوئے ہیں۔

☆ سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ، ''میں جنت میں گیا تو وہاں میں نے قرآنِ پاک کے پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا، ''یہ کون ہے؟'' فرشتوں نے بتایا کہ، ''یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔'' اس کے بعد سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ، ''یہ بدلہ ہے احسان کا، یہ بدلہ ہے احسان کا، حارثہ اپنی ماں کے ساتھ بہت بھلائی کرتا تھا۔'' (بیہقی)

**ماں کی ''فرمانبرداری''...اور...''نافرمانی سے ممانعت'' کا بیان:۔**

اگر ماں کی فرمانبرداری ونافرمانی کا معاملہ پیشِ نظر رکھا جائے تو اس معاملے میں بھی قرآن وحدیث کے مضامین واضح معلومات فراہم کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''**وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ**۔ اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی۔

(ترجمۂ کنزالایمان۔ پ۲۱۔ لقمن۔۱۴)

**نوٹ:۔**

یہاں ماں باپ کے بارے میں تاکید سے مراد ان کی فرمانبرداری کو اختیار کرنا اور نافرمانی سے بچنا ہے۔

احادیثِ کریمہ میں بھی اس کے بارے میں بہت سخت تاکید آئی ہے چنانچہ،

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، ''جنت کی خوشبو پانچ سو میل کی مسافت سے آتی ہے مگر والدین کا نافرمان یہ خوشبو بھی نہ پائے گا۔''

☆ پیارے آقا ﷺ کا فرمانِ عبرت نشان ہے کہ، ''تین شخص ایسے ہیں جو میری زیارت سے محروم رہیں گے۔

☆ اپنے والدین کا نافرمان

☆ میری سنت کا تارک

☆ جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درودِ پاک نہ پڑھا۔

(القول البدیع)

☆ حضرت عبداللہ بن اوفی (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ، ''علقمہ نامی ایک شخص جو کہ نماز روزے کا بہت پابند تھا، جب اس کے انتقال کا وقت قریب آیا تو تلقین کے باوجود کلمۂ شہادت اس کی زبان پر جاری نہ ہوتا تھا۔ اس کی بیوی نے رحمتِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک آدمی بھیج کر تمام واقعہ کی اطلاع کروائی۔ پیارے آقا ﷺ نے پوچھا، ''اس کے والدین زندہ ہیں یا نہیں؟'' عرض کی گئی، ''اس کی والدہ زندہ ہیں اور اس سے ناراض ہیں۔'' آپ ﷺ نے اس کی ماں کو بلوا کر پوچھا کہ ''تو اپنے بیٹے سے کیوں ناراض ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ، ''علقمہ بے شک نیک آدمی ہے، لیکن وہ اپنی بیوی کے مقابلے میں ہمیشہ میری نافرمانی کرتا ہے، اس لئے میں اس سے ناراض ہوں۔'' سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تُو اس کی خطا معاف کر دے تو اس کے حق میں بہتر ہے۔'' لیکن اس بڑھیا نے انکار کر دیا۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرتِ بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم فرمایا کہ ''آگ جلاؤ اور اس کے بیٹے کو آگ میں ڈال دو۔'' یہ سن کر بڑھیا گھبرا گئی اور عرض کرنے لگی، ''کیا میرے بیٹے کو آگ میں جلایا جائے گا؟'' حضور ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا، ''ہاں! اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلے میں ہمارا عذاب ہلکا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم جب تک تُو اس سے ناراض ہے، نہ اس کا صدقہ قبول ہے اور نہ اس کی نماز مقبول ہے۔'' یہ سن کر بڑھیا عرض گزار ہوئی، ''میں آپ ﷺ کو اور باقی تمام لوگوں کو گواہ بناتی ہوں کہ

میں نے علقمہ کا قصور معاف کر دیا۔"

اب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ، "دیکھو! علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا ہے یا نہیں؟" لوگوں نے عرض کی، "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا اور کلمۂ شہادت کے ساتھ ہی اس کا انتقال ہوا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہ کے غسل وکفن کا حکم دیا اور خود جنازے میں تشریف لے گئے۔ علقمہ کو دفن کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"مہاجرین وانصار میں سے جس نے اپنی ماں کی نافرمانی کی یا اس کو تکلیف پہنچائی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرتا ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرے اور جس طرح ممکن ہو اس کو راضی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی، ماں کی رضا مندی میں ہے اور رب تعالیٰ کا غضب ماں کے غصہ میں پوشیدہ ہے۔" (طبرانی)

## دیانت دارانہ محاسبہ:۔

ان تمام احادیث کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہر مسلمان بھائی اور مسلمان بہن کو سختی کے ساتھ اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ وہ والدین میں سے خصوصاً اپنی ماں کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے.........؟

اگر دیانت دارانہ محاسبے کے بعد منکشف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے والدین کی اطاعت میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، ان کی خدمت کے معاملے میں بھی دل بالکل مطمئن ہے، نیز زبان وآنکھ وغیرہ سے کوئی بات یا ایسا اشارہ نہیں کیا جاتا کہ جو ماں کی دل آزاری کا سبب بنے تو اللہ کا خوب خوب شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور بار بار دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں مزید ہمت وخلوص سے

نوازے۔

اور اگر محسوس ہو کہ ماں کو وہ عزت نہیں دے پا رہے کہ جس کی وہ مستحق ہے.....خدمت میں بھی کوتاہی ہو جاتی ہے.....ماں کے مقابلے میں زوجہ کو فوقیت دینے کی عادت ہے.....گفتگو کرتے ہوئے لہجہ سخت ہو جاتا ہے.....کبھی کبھار غصے میں آکر سب کے سامنے ڈانٹ بھی دیتے ہیں.....نیز بات بات میں اسے کم عقل وکم فہم ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے....اور اسی کی دعا سے حاصل شدہ نوکری..یا..کاروبار سے سے ملنے والا پیسہ دینے کے باعث دل میں بار بار احساسِ برتری پیدا ہونا شروع ہو چکا ہے۔

تو پھر توبہ کرنے میں بالکل دیر نہ کریں اور جیسے بھی ہو انھیں راضی کریں۔اور اس میں بالکل دیر نہ کریں کیونکہ کیا معلوم کب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کس کا بلاوہ آجائے۔.......اگر آپ پہلے رخصت ہو گئے تو پھر قبر میں کفِ افسوس ملتے رہیں گے اور اگر والدہ پہلے تشریف لے گئیں تو ان لوگوں کی طرح تا حیات حسرت وپچھتاوا ہوتا رہے گا کہ جن کی والدہ اچانک فوت ہو گئیں اور وہ صحیح طریقے سے ان کی خدمت نہ کر سکے ،نہ ہی اپنے قصور معاف کرا سکے۔چنانچہ جب تک والدہ کا سایہ سر پر قائم ودائم ہے ان کے فیوض وبرکات سے فائدہ اٹھائیں اور جتنی زیادہ دعائیں سمیٹ سکتے ہوں ،سمیٹیں،ان شاءاللہ عزوجل اس کا فائدہ دنیا وآخرت دونوں میں عطا کیا جائے گا۔

حضرت خواجہ غریبِ نواز (رحمۃ اللہ علیہ) بیان فرماتے ہیں کہ،

''ایک گناہ گار نوجوان کا انتقال ہوا،ایک شخص نے اسے خواب میں جنت میں حاجیوں کے ساتھ ٹہلتے دیکھا تو پوچھا،''یہ مرتبہ تو نے کیسے پایا؟تو نے دنیا میں بظاہر کوئی نیک عمل نہ کیا تھا؟''اس نوجوان نے جواب دیا،''یہ سچ ہے

،لیکن میری ایک ضعیفہ ماں تھی ، جب میں مکان سے باہر جاتا تو اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیتا اور پاؤں چومتا تھا اس کے بعد باہر نکلتا۔ اس پر میری ماں یہ دعا دیتی کہ ''اللہ تعالیٰ تجھ کو بخش دے اور حج کا ثواب عنایت فرمائے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری ماں کی دعا قبول فرمائی اور مجھے بخش دیا اور حاجیوں میں شامل فرما دیا۔ (معین الہند)

سوال:۔

بسا اوقات ماں، اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی میں مبتلاء ہوتی ہے تو کیا اس صورت میں بھی اس کے حقوق اسی طرح قائم رہتے ہیں؟ .. یا.. ان میں کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے؟... اور کیا اب بھی وہ اسی خدمت کی مستحق ٹھہرے گی؟

جواب:۔

اگر ماں کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو یہ اس کا اور اس کے رب کا معاملہ ہے، اس چیز کو بنیاد بنا کر اولاد کے لئے جائز نہیں کہ حسنِ سلوک میں کوتاہی کرے۔ اس کے لئے بطورِ دلیل یہ حدیثِ پاک ملاحظہ فرمائیے۔

☆ حضرت اسماء بنتِ ابو بکر (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ''میری والدہ میرے پاس آئی، وہ ابھی مشرک تھی، میں نے پیارے آقا ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ '' میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے بے رغبت ہے، اب میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میں اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟'' رحمتِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''ہاں! اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' (بخاری و مسلم)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جب مشرکہ ماں سے نیک سلوک کا حکم ہے تو مسلمان گناہ گار ماں کیوں نہ اچھے سلوک کی مستحق ہوگی؟...........

ہاں اس موقع پر دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

﴿1﴾ اگر ان کی اصلاح ممکن نظر آئے تو کوشش کرنا فرض رہے گا۔لیکن اس کے لئے نرمی اختیار کی جائے گی،سختی اب بھی جائز نہیں۔

﴿2﴾ اور اگر اصلاحی کوششیں بے کار ہو جائیں تو ان کے اس فعل کو کم از کم دل میں ضرور برا جانیں۔کیونکہ سرکارِ مدینہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ تم میں جو کوئی برائی ہوتی دیکھے تو چاہیئے کہ اسے ہاتھ سے بدل دے،اگر اس پر قادر نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو کم از کم اسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔(مسلم)

سوال:۔

اگر کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے،پھر وہ معافی طلب کرے،لیکن ماں معاف نہ کرے تو.........................؟

جواب:۔

اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کر کے ماں کی خدمت میں پوری کوشش صرف کرتے رہیں،ان کے لئے دعائے مغفرت اور نیک کاموں کا ثواب،ایصال کریں،حتی الامکان فرمانبرداری کریں۔ان شاءاللہ کچھ عرصہ بعد وہ راضی ہو جائیں گی..اور..بالفرض اگر دنیا میں راضی نہ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کو راضی فرمادے گا۔

سوال:۔

اگر ماں کی نافرمانی اور دل آزاری کی تھی،پھر اس سے پہلے کہ معافی طلب کرتے ماں کا انتقال ہو گیا تو اب تدارک کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:۔

ایسے شخص کو چاہیئے کہ ہر جمعہ والدہ کی قبر حاضر ہوکر ایصال ثواب کیا کرے، نیز ان کے لئے دعائے مغفرت کرے، ان شاء اللہ عزوجل اس کا قصور معاف کردیا جائے گا۔ جیسا کہ

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو اپنے ماں باپ دونوں یا ایک کی قبر پر ہر جمعہ کے دن حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور اسے ''ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا لکھا جائے گا۔'' (مجمع الزوائد نوادر الاصول)

☆ اور ایک مقام پر ہے کہ سرکارِ مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ''جو شخص روزِ جمعہ اپنے والدین یا ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورۂ یسین پڑھے تو بخش دیا جائے گا۔'' (ابن عدی)

نوٹ:۔

اگر نافرمانی کرنے والی کوئی مسلمان بہن ہوں تو انھیں گھر پر رہ کر ہی استغفار اور ایصالِ ثواب کا حکم ہے۔

سوال:۔

اگر والدہ کسی خلافِ شرع کام کا حکم دیں تو کیا اب بھی اطاعت فرض رہے گی؟

جواب:۔

جی نہیں، ان کا حکم صرف اس وقت تک واجب العمل ہے جب تک دائرۂ شریعت میں ہے۔ اگر کسی خلافِ شرع کام کا حکم دیں تو ہرگز نہ مانیں۔ اس پر بطورِ دلیل درجِ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ

☆حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) کی والدہ حَمْنَه کو اپنے آبائی کفریہ مذھب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا، اس کو بیٹے کے قبولِ اسلام کا سن کر اس قدر رنج ہوا کہ کھانا پینا، بولنا چالنا سب کچھ بند کر دیا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) ماں سے بے حد محبت کیا کرتے تھے، چنانچہ ماں کو آزردہ دیکھنا بہت بڑی آزمائش تھی لیکن آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ ماں تین دن تک بھوکی پیاسی رہی۔ یہی اصرار تھا کہ "یہ نیا دین ترک کر دو۔" لیکن آپ کا ایک ہی جواب تھا کہ، "ماں! تم مجھے بے حد عزیز ہو، لیکن تمہارے قالب میں خواہ سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے ہر جان نکل جائے، تب بھی اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔"

بارگاہِ خداوندی عزوجل میں آپ کی شانِ استقلال ایسی مقبول ہوئی کہ عامۃ المسلمین کے لئے یہ فرمانِ الٰہی نافذ ہو گیا، "**وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا**۔ اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

(ترجمہ کنز الایمان۔پ۲۰۔العنکبوت ۸)

لیکن اس صورت میں بھی سامنے سے بدتمیزی.. یا.. سختی نہ کی جائے بلکہ بہتر ہے کہ خاموشی اختیار کر لیں اور اس حکم پر عمل پیرا نہ ہوں۔

سوال:۔

اگر والد و والدہ کا جھگڑا ہو جائے تو کیا والدہ کی طرف داری کرنی ہوگی؟

جواب:۔

اگر درمیان میں پڑ کر کسی ایک فریق کی طرف داری کئے بغیر معاملہ رفع دفع کروا سکتے ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ ماں کی طرف داری کرتے ہوئے والد کے ساتھ برا سلوک کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔

اعلیٰ حضرت (قدس سرہ) تحریر فرماتے ہیں،

''(ماں کو دیگر معاملات میں باپ پر فوقیت ضرور دے لیکن یہ) نہیں کہ ماں باپ میں باہم جھگڑا ہو جائے تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کو ایذا دینے کے در پے ہو جائے.. یا.. اس پر کسی قسم کی سختی کرے.. یا.. اسے جواب دے.. یا.. بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے، یہ سب باتیں حرام اور اللہ تعالیٰ کی معصیت (یعنی نافرمانی) ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نہ ماں کی اطاعت (کی جائے گی اور) نہ باپ کی۔ تو اسے ماں باپ میں سے کسی ایک کا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں، وہ دونوں اس کی جنت و دوزخ ہیں، جسے ایذاء دے گا دوزخ کا مستحق ہو گا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، معصیتِ خالق میں کسی کی اطاعت (جائز) نہیں، اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، (تو) ہونے دے اور ہرگز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملے میں (احتیاط کرے) ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابلِ لحاظ نہ ہوں گی، یہ ان کی محض زیادتی ہے کہ اس سے اللہ کی نافرمانی چاہتے ہیں۔'' (فتاوی رضویہ قدیم۔ جلد دہم)

## مطالعہ فرمانے والی ماؤں کی خدمت میں عرض

آخر میں بہتر محسوس ہوتا ہے کہ اس رسالے کا مطالعہ فرمانے والی ماؤں کی خدمت میں بھی چند معروضات پیش کر دی جائیں۔

(1) اس رسالے کا مطالعہ فرماتے ہوئے آپ فقط اولاد کو پیشِ نظر مت رکھیے گا بلکہ خود اپنی سابقہ زندگی اور اپنی والدہ کے ساتھ اپنے سلوک و رویئے کا جائزہ بھی لیتی رہیے گا تاکہ اگر آپ بھی کسی کوتاہی کی مرتکب ہوئی ہوں تو توبہ میں آسانی رہے گی۔ اگر آپ نے اس جانب غور نہ فرمایا تو نفس کبھی بھی اس طرف توجہ نہ جانے دے گا، بلکہ ہر مقام پر آپ کی اولاد کا کردار ہی یاد دلائے گا۔

(2) آپ کی اولاد بھی ایک انسان ہے، جس کے ساتھ ایک نفس اور شیطان کو پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ بتقاضائے بشریت ان سے خطا کا صدور کوئی قابلِ تعجب بات نہیں، ہر انسان سے کوئی نہ غلطی واقع ہوتی ہی رہتی ہے۔ اب اگر اولاد سے کوئی خطا سرزد ہو بھی جائے تو حتی الامکان درگزر سے کام لینے کی کوشش فرماتی رہیئے۔ اس کے برعکس اگر آپ نے ان کی غلطی پر معاف کرنے کی عادت کو نہ اپنایا تو بروزِ قیامت تو دور کی بات ہے دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ انھیں کسی نہ کسی مصیبت وعذاب میں مبتلاء فرما دے گا جیسا کہ والدین، خصوصا ماں کو اذیت دینے والوں کا برا انجام اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے۔

کیا آپ پسند کریں گی کہ آپ کی اولاد آپ کی وجہ سے کسی مصیبت وعذاب میں گرفتار ہو؟..............................

(3) یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت ومرتبہ عطا فرمایا ہے، لیکن اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اب آپ کو آپ کی کوئی بھی غلطی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور آپ جو کچھ بھی کریں اللہ تعالیٰ اسے ضرور درگزر فرما دے گا۔............

نہیں بلکہ جس طرح دوسروں سے بروزِ قیامت سوال کیا جائے گا اسی طرح آپ کو بھی جواب دہ ہونا پڑے گا، چنانچہ اگر اولاد کے معاملے میں آپ کی جانب سے کوئی زیادتی ثابت ہوئی تو اس پر بھی گرفت ہو سکتی ہے، لھذا اولاد کے محاسبے کے ساتھ ساتھ اپنا محاسبہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو راقم الحروف سمیت ماں کی عظمت سمجھنے اور ان کے فیوض وبرکات سے فیض یاب ہونے کی توفیق مرحمت فرما۔ امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

''جنابِ سیدہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) کی کہانی''..اور..''دس بیبیوں کی کہانی'' نامی کتابچوں کا شرعی حکم

بنام

# سچ یا جھوٹ؟

مؤلف

## مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

## مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور

# عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکتبہ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بحسن و خوبی جہادِ قلمی میں مصروف ہے۔ ہماری مسلسل کوشش ہے کہ معاشرے کی پاکیزگی کے لئے زیادہ سے زیادہ برائیوں کی نشاندہی کی جائے۔ تاکہ ہمارے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لئے جانبِ احتیاط اختیار کرنا آسان سے آسان تر ہوتا چلا جائے۔

الحمد للہ (عزوجل) زیرِ نظر رسالہ بھی اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔ ہماری سادہ لوح مسلمان بہنیں عرصہ دراز سے ''جنابِ سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی کہانی'' ..اور..''دس بیبیوں کی کہانی'' نامی رسالے بہت ذوق وشوق وعقیدت واحترام سے پڑھ رہیں تھیں۔ حالانکہ ان میں بے شمار خلافِ شرع باتیں بھری پڑی ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی تفصیلاً نشاندہی نہیں کی گئی، لھذا کنارہ کشی کی بھرپور عملی کوشش نظر نہیں آئی۔

علامہ محمد اکمل عطاری زید مجدہ نے ان دو رسالوں میں موجود اغلاط کی تفصیلاً نشاندہی کی ہے۔ ان شاء اللہ (عزوجل) امید ہے کہ جس نے اس رسالے کو توجہ اور دل کی آنکھوں سے پڑھا، وہ آئیندہ ان رسائل کے قریب نہیں آئے گا۔

آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر آپ اس رسالے کو مقصدِ مذکور کے سلسلے میں نافع پائیں، تو دوسروں کو اس کی ترغیب ضرور دیں۔

اسکے ساتھ ساتھ ہمارے نئی تصانیف بنام، ''جاہل صوفی''...''جوابِ اذان کی شرعی حیثیت''..اور..''مسجد میں بلند آواز سے ذکر'' بھی ضرور مطالعہ فرمائیے۔ اللہ ہم سب کو مل جل کر دین کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامینِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

**محمد اجمل**

۱۸ ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق 11 فروری 2004ء

بسم الله الرحمن الرحیم

الصلوة والسلام علیک یارسول الله و علی الک واصحابک یاحبیب الله

تعلیماتِ اسلام سے روگردانی کے باعث مسلمان جس قدر پستی وذلت ونقصانات کا شکار ہے، ایک ذی فہم پر ہرگز مخفی نہیں۔اس نحوستِ جہالت کی بناء پر جہاں قدم قدم پر بے شمار سعادتوں سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے، وہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے کاموں میں مشغولیت بھی بسا اوقات جہنم کی راہ دکھاتی ،دکھائی دیتی ہے۔

راقم الحروف کو کچھ دن قبل ایک استفتاء موصول ہوا، جس میں ''اعجازِ جنابِ سیدہ'' اور ''دس بیبیوں کی کہانی'' نامی دو رسالوں کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا کہ ان کے پڑھنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟...نیز ان میں موجود مواد، تعلیماتِ اسلامی کے مطابق اوراخلاقِ مسلمین کی بہتری کے لئے مفید ہے یا نہیں؟...

مذکورہ رسائل کا سرسری جائزہ لینے کے بعد منکشف ہوا کہ ان میں درج واقعات، بالکل من گھڑت اور شرعی لحاظ سے بے شمار ناجائز اور غیر معتبر باتوں پر مشتمل ہیں۔غالباً اسلام دشمن عناصر نے عوام الناس کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ،اہل سنت و جماعت میں ان کتب کا پڑھنا رائج کروا دیا، تا کہ دینِ اسلام کی اصل اور صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے اور رکھنے والی پاکیزہ تعلیمات کی جانب سے توجہ ہٹائی جا سکے۔

چونکہ ان کے پڑھنے میں مسلمان بہنوں کی کثیر تعداد حسبِ عادت ''بے حد

عقیدت و محبت'' سے مصروفِ عمل ہے، لھذا بہتر محسوس ہوا کہ ان دونوں کتب میں موجود اغلاط و خرافات کے بارے میں علیحدہ علیحدہ نشاندہی کر کے، پوری تفصیل کو ایک رسالے کی شکل میں شائع کر دیا جائے، تاکہ سائل کے ساتھ ساتھ ہماری سادہ لوح مسلمان بہنوں پر بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جن رسائل کو بے حد معتبر و مبارک سمجھ کر پڑھا جا رہا تھا، وہ ہرگز باعثِ برکت و لائق احترام نہیں، بلکہ جھوٹ والزام تراشی، سید الانبیاء حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی صاحبزادی شہزادیٔ کونین وجنتی عورتوں کی سردار بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی سخت توہین و بے ادبی، خلافِ تعلیماتِ اسلام امور اور دیگر کئی من گھڑت باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ انہیں اپنے گھروں سے فوراً سے پیشتر نکال کر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور بعد توبہ نجات پانے پر شکرانے کے نفل ادا کئے جائیں۔

آیئے اب دونوں رسالوں پر قرآن وسنت کی روشنی میں محاسبانہ نظر ڈالنے کی سعادت حاصل کی جائے۔ چنانچہ

''اعجازِ جنابِ سیدہ'' نامی رسالے میں دو واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ جن میں سے پہلے واقعے میں اولاً درج ہے کہ کسی سنارن کا بچہ گم ہو گیا، تلاش کرنے پر پتا چلا کہ بھٹی میں گر کر جل گیا ہے۔ سنارن غم سے بے ہوش ہو گئی، خواب میں ایک نقاب پوش معظّمہ نظر آئیں، فرمایا، ''غم نہ کر تو نیت کر لے کہ اگر میرا بیٹا بھٹی سے صحیح سالم نکل آیا، تو میں جنابِ سیدہ کی کہانی سنوں گی۔'' سنارن نے عالمِ غشی میں ہی نیت کر کے منت مان لی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بیٹا زندہ سلامت ہنستا کھیلتا چلا آرہا

ہے اوراعجاز جنابِ سیدہ سے اس کے جسم پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا، یہاں تک کہ لباس بدن بھی محفوظ رہا۔سنارن بچہ لے کر بازار گئی، دو پیسے کی شیرینی خریدی اور چھ سات گھروں میں گئی کہ مجھے جنابِ سیدہ کی کہانی سنادو، ہرایک نے یہی کہا کہ نہ ہمیں کہانی یاد ہے اوراور نہ ہی اتنی فرصت کہ ان فضول باتوں کی جانب توجہ دیں۔ وہ سب سے مایوس ہوکر جنگل کی طرف چل دی، وہاں وہی نقاب پوش خاتون نظر آئیں ۱ے اور کہامت رو، بیٹھ میں کہانی سناتی ہوں۔ پھراس نے فرمایا۔

آگے جولکھا گیااس میں درج ذیل خرافات موجود ہیں۔

(1) رسالے میں جابجا شفیع محشر (ﷺ) اور خاتون جنت بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے نامی نامی اسم گرامی کے ساتھ مکمل درود پاک اور رضی اللہ عنھا کے بجائے "(ؐ)" اور "(ؓ)" لکھا گیا ہے۔یقیناً پڑھنے والی مسلمان بہنیں اپنے نزدیک اس مبارک رسالے میں موجود اس کارنامے کو بالکل درست وصحیح تصور کرتے ہوئے خود بھی اس کی مرتکب ہونے میں عار محسوس نہ کریں گی، حالانکہ سیدالانبیاء (ﷺ) کے نام اقدس کے ساتھ فقط "(ؐ)" یا "صلعم" لکھنا حرام اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے اسم مقدس کے ساتھ "(ؓ)" لکھنا باعثِ محرومی برکت ہے۔

بہارِ شریعت میں بحوالہ طحطاوی ہے، "اکثر لوگ آج کل درودشریف کے بجائے صلعم، عم، (ؐ)، ۱۴ لکھتے ہیں، یہ ناجائز وسخت حرام ہے۔ یوہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱ے: آخر میں بتایا جائے گا کہ یہ نقاب پوش خاتون خود جناب سیدہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھیں۔ (۱۲ منہ)

کی جگہ ''( ؓ )'' اور رحمہ اللہ تعالیٰ کی جگہ'' ( ؒ )'' لکھتے ہیں، یہ بھی نہ چاہیئے۔''

(جلد اول۔حصہ سوم۔صفحہ ۶۶)

(2) اس میں اولاً بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا ایک سنارن کو خود اپنے فضائل و مناقب سے بھرپور واقعہ سنانا، طریقہ اولادِ رسول (ﷺ) اور اکابرین اسلام سے ہٹ کر ہے۔ یہ نفوس قدسیہ بلا ضرورتِ شرعیہ اپنے فضائل بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ کیونکہ بغیر کسی صحیح ضرورت کے خود اپنے منہ سے اپنی تعریف وکمالات کا اظہار، شریعت کو ہرگز محبوب نہیں اور جو کام شرع ناپسند فرمائے، اکابرین اسلام اس کے ارتکاب سے کوسوں دور رہا کرتے تھے۔ اس قسم کے واقعات کو سن کر یقیناً اپنی زبان سے اپنے کارنامے بیان کرنے کی ترغیب حاصل ہوگی اور ایسی ترغیب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کو محبوب نہیں۔

(3) آگے مذکور ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی کہ

''میری لڑکی کی شادی ہے، آپ اجازت دیں، تو میں شرف پاؤں کہ جنابِ سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میرے گھر میں تشریف لے چلیں۔''

اولاً تو ایسا ممکن ہی نہیں کہ کوئی یہودی حصول شرف کے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی صاحبزادی کی شرکت کا سوال کرے۔ کیونکہ یہودی قوم اللہ عزوجل کے حبیب (ﷺ) اور مسلمانوں سے سخت بغض رکھتے ہیں۔ جس کی قرآن میں جا بجا نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے،

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۔اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے، جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو۔" (پ ا۔بقرہ۔۱۲۰)

معلوم ہوا کہ یہودیوں کی تمنا ہے کہ مسلمان، اسلام کو چھوڑ کر ان کی دین کی پیروی کریں۔

مزید ارشاد ہوا،

"وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتَابِ لَوْیَرُدُّوْنَکُمْ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ط حَسَداً مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۔یعنی بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں، اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا ہے۔"

(پ ا۔بقرہ۔۱۰۹)

پتا چلا کہ حق جاننے کے باوجود یہ شیطانی ٹولہ ایمان لانے والے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے حسد کرتا تھا اور ان کے لئے تمنا رکھتا تھا کہ یہ ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی جانب لوٹ جائیں۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّالنَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۔ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور

مشرکوں کو پاؤ گے۔'' (پ ٦۔مائدہ۔٨٢)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہودیوں کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔

پھر عقلی لحاظ سے بھی یہ بات حقیقت سے بہت بعید نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نظر انداز کر کے ان کی صاحبزادی کے لئے شرکت کی اجازت طلب کی جائے۔

پھر بالفرض اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ واقعی کسی یہودی نے حاضر ہو کر اس قسم کی کسی خواہش کا اظہار کیا تھا، تو جواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب انکار کے بجائے نیم رضا مندی کا اظہار منسوب کر دینا، سخت بے ادبی، یہودی سازش کا نتیجہ اور باعث غضب الہی ہے۔

اولاً اس لئے کہ وہ شادی مسلمانوں کی نہ تھی یہودیوں کی تھی، جس میں پردے کے اہتمام اور مردوں عورتوں کے لئے الگ الگ حصے کے انتظام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے مرد فاسق وفاجر، شراب پینے والے، سور کھانے والے، زانی اور ہر طرح کی برائی میں ملوث تھے۔ عورتیں بے پردگی، زناء اور دیگر ہر طرح کی برائیوں میں مبتلاء تھیں۔ ایسی ناپاک محفل میں شہزادیٔ کونین کی شرکت کا تذکرہ درست ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تسلیم کر رہے ہیں کہ آپ کافر مردوں اور بے حیاء و بے ادب عورتوں کے درمیان تشریف فرما ہوئیں اور کس کی اجازت سے؟..... اللہ کے سب سے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت سے؟.... ایسی محفل میں تو شرکت کا

ارادہ ہی گناہ تھا، چہ جائیکہ صاحبزادیٔ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے اس میں جانا ثابت کیا جائے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

مسلمان بہنو!

ذرا ہوش وحواس قائم رکھتے ہوئے ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ اگر کوئی یہودی آپ کے گھر پر آکر آپ کی جوان بیٹی کے بارے میں کہے کہ

''ہم عزت وشرف حاصل کرنا چاہتے ہیں لھذا اسے ہماری شادی میں بھیج دو۔''

اور آپ کو بخوبی معلوم بھی ہو کہ اس محفل میں بڑے بڑے بے غیرت مرد اور خبیث عورتیں بیٹھی ہوں گی، تو کیا آپ کی غیرت یہ بات گوارا کرے گی کہ اپنی جوان بیٹی کو بغیر کسی گھر کے مرد کے تن تنہا، بنا سنورا کر اس محفل میں بھیج دیا جائے؟......

یونہی بالفرض اگر آپ کی قریبی مسجد کے امام کے پاس ایک یہودی اسی قسم کا مطالبہ لے کر آئے اور وہ امام اپنی جوان بیٹی کو ان کی شادی میں بھیج دے، تو آنکھیں بند کر کے ایمان داری کے ساتھ سوچیں کہ اس امام کے لئے آپ کے تاثرات کیا ہوں گے۔

اب ذرا غیرتِ ایمانی کا دامن تھام کر خود سے جواب طلب کیجئے کہ جس بات کو ایک ادنی امتی کا قلب وذہن، بے حیائی وبے غیرتی سے تعبیر کرے اور اسے اپنے اور دوسرے کسی امتی کے لئے کسی صورت میں محبوب نہ رکھے، وہی بات اللہ تعالیٰ

کے محبوب (ﷺ) اور ان کی صاحبزادی کی جانب منسوب کرنا، کیا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) رسول خدا، حبیبِ کبریاء (ﷺ) اوران کی شرم وحیاء کی پیکر صاحبزادی کی طرف بے حیائی اور خلافِ شرع کام کی نسبت کرنا نہیں ہے؟....

اور پھر ایسے جھوٹے واقعات کو برائی کے ساتھ نہیں، بلکہ ثواب کی نیت سے بیان کرنا، کیا اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو دعوت نہ دے گا؟......

**ثانیاً** اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر یہودیوں سے دوستی اور مل جول سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ

☆ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

**"وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ☆ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا** ۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور ان نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا، تو کافروں سے دوستی نہ کرتے، مگر ان میں تو بہتیرے (یعنی بہت سے) فاسق ہیں۔ ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔" (پ۶۔۸۲)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہودیوں سے دوستانہ میل جول منافقین کا طریقہ تھا، نیز مشرکین کی طرح یہودی بھی مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ بلکہ علامہ فخر الدین رازی (قدس سرہ)، یہودیوں کو، مشرکین سے پہلے ذکر کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، "**بل نبہ علی انھم اشد فی**

العداوۃ من المشرکین من جھۃ انہ قدم ذکرھم علی ذکر المشرکین۔ یعنی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر تنبیہہ فرمائی کہ یہ مسلمانوں کی دشمنی میں مشرکین سے زیادہ شدید ہیں، کیونکہ اس نے ان کے ذکر کو مشرکین کے ذکر پر مقدم رکھا ہے۔'' (تفسیر کبیر۔جلد۴۔۴۱۳)

کیا مطالعہ فرمانے والی ہماری مسلمان بہنیں اور بھائی، اس آیت کے پیش نظر اس بات سے اتفاق نہ فرمائیں گے کہ اس کتاب کے مؤلف نے ہمارے نبی کریم (ﷺ)، حضرت علی اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی جانب ایک فعل منافقین کو منسوب کرنے کی جرأت کی ہے اور یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن سے میل جول رکھا کرتے تھے؟.....

☆ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے،

''لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ط وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ۔ مسلمان، کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں، مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا، اسے اللہ سے کچھ علاقہ (یعنی تعلق) نہ رہا۔'' (پ۳۔۲۸)

معلوم ہوا کہ مسلمان کو فقط مسلمان سے ہی دوستی، محبت اور میل جول رکھنا چاہیئے، جو اس کے برخلاف کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہاں یہ مسئلہ جاننا مفید رہے گا کہ مسلمان کا کافروں سے میل جول رکھنا تین طرح کا ہوتا ہے۔

(1) یہ ان کے کفر سے راضی ہے اور اسی سبب سے ان سے میل جول بھی رکھتا ہے۔ ایسا میل جول شرعی لحاظ سے ممنوع و کفر ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسلمان، اس کافر کو اس دین کے اختیار کرنے میں درست قرار دے رہا ہے اور کفر کو درست قرار دینا.. یا.. کسی کے کافر رہنے پر راضی رہنا کفر ہے۔

(2) فقط دنیاوی امور مثلاً خرید و فروخت یا اجارہ وغیرہ کے سلسلے میں میل جول رکھتا ہے اور اسی سبب سے صرف ظاہراً ان سے اچھا برتاؤ رکھتا ہے یعنی نہ تو ان سے محبت ہے اور نہ ہی ان کے دین کو حق تسلیم کرتا ہے۔ یہ میل جول شرعی لحاظ سے ممنوع نہیں۔

(3) ان سے میل جول قلبی میلان، ان پر اعتماد و بھروسہ کرنے اور ان کی امداد وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہو، اب یہ میلان چاہے رشتہ داری کی وجہ سے ہو.. یا.. ان کے دین کو باطل سمجھتے ہوئے فقط قلبی محبت کی وجہ سے۔ میل جول کی یہ صورت بھی شرعی لحاظ سے ممنوع ہے، لیکن وجہِ کفر نہیں۔

یہاں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ایسا میل جول آہستہ آہستہ ان کے مذہب و مذہبی طور طریقوں کی کراہیت کو دل سے نکال دیتا ہے اور بسا اوقات میل جول رکھنے والا مسلمان ان کے مذہب کے طریقوں اور دیگر رسومات کو اچھا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ چیز اسے اسلام سے خارج کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

(ماخوذ از تفسیر کبیر۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۹۲)

ان تینوں صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شادی میں شرکت اور رحمتِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب

سے اس پر رضا مندی والے معاملے پر نظر ثانی فرمائیں۔ معلوم ہوگا کہ چونکہ یہ معاملہ تجارت یا اجارہ وغیرہ کا نہ تھا، لھذا دوسری اور جائز صورت نہ پائی گئی۔

اب باقی دو ہی صورتیں رہ گئیں اور دونوں ہی شرعی لحاظ سے ممنوع ہیں، لھذا ثابت ہوا کہ مؤلفِ کتاب نے ان مبارک ہستیوں کی جانب ایک ممنوعہ کام کی نسبت کر کے شدید گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور ہماری مسلمان بہنیں، اپنی نادانی و جہالت کے باعث اس گستاخی کو "ثواب کی نیت سے" بار بار دہرانے میں مصروف عمل ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

☆ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا،

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا، تو وہ انہیں میں سے ہے، بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔" (پ ۶۔ ۵۱)

علامہ فخر الدین رازی (قدس سرہ) اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور یہودیوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ وہیں عبداللہ بن ابی منافق بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے یہ سنا تو فوراً بولا، "لیکن

میں تو ان سے بیزار نہیں ہوں، کیونکہ میں مصائب و آلام کا خوف رکھتا ہوں۔'' یعنی میں ان سے اس لئے بیزار نہیں کہ مجھے امید ہے کہ اگر میں کسی مصیبت میں گرفتار ہوا، تو یہ لوگ میری مدد کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل کی گئی اور ان دونوں دشمنانِ اسلام کو دوست بنانے سے منع کر دیا گیا اور مراد یہ ہے کہ امداد طلب کرنے کے سلسلے میں نہ تو ان پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی ان سے دوستی و محبت کا تعلق قائم کیا جائے۔

آگے لکھتے ہیں کہ

''حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے ایک عیسائی کو بطورِ کاتب ملازم مقرر کیا ہے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا، ''اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے [1] یہ تو نے کیا کیا، کسی مسلمان کو نہیں رکھ سکتا تھا؟... کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان نہیں سنا، ''لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَاءَ۔ یعنی یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ؟''.... میں نے عرض کی کہ ''اس کے لئے اس کا دین ہے، میرے لئے فقط اس کی کتابت ہے۔'' [2] یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا، ''جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توہین کی ہے، تو تو ان کی تعظیم مت کر، جب اللہ عزوجل نے انہیں ذلیل کیا ہے، تو تو انہیں عزت مت دے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دور کیا ہے، تو تو انہیں قریب مت کر۔'' [3] (تفسیر کبیر۔ جلد ۴۔ صفحہ ۳۷۵)

---

۱:۔ یہ جملہ بطورِ بددعا نہیں، بلکہ فقط محاورۃً ارشاد فرمایا۔ (۱۲ منہ) ۲:۔ یعنی میں نے اسے اس کے دین کی محبت کی وجہ سے نہیں رکھا، بلکہ اس کے وصفِ کتابت سے فائدہ اٹھانا مقصود تھا۔ (۱۲ منہ) ۳:۔ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اس عیسائی کو نوکر رکھنے کی مسلسل مخالفت فقط ان کے دین سے اظہارِ بیزاریت کے لئے تھی، ورنہ عیسائی کو نوکر رکھنا شرعی لحاظ سے ممنوع نہیں۔ اگرچہ اولیٰ مسلمان کو ہی مقرر کرنا ہے۔ (۱۲ منہ)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہود ونصاریٰ سے دوستی ومحبت کا تعلق قائم کرنا قطعی محبوب نہیں اور اس کی جانب سے اس کی شدید ممانعت بھی ہے۔

سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا،

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۔اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ان کی آرزو ہے جتنی ایذاء انہیں پہنچے۔ بیر (یعنی شدید بغض) ان کی باتوں سے جھلک اٹھا، اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔'' (پ۴۔۱۱۸)

علامہ نعیم الدین مرادآبادی (قدس سرہ) اس آیت کے تحت بیان فرماتے ہیں،

''بعض مسلمان یہودیوں سے قرابت، دوستی اور پڑوس وغیرہ کی بناء پر میل جول رکھتے تھے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔مسئلہ:۔کفار سے دوستی ومحبت کرنا اور انہیں اپنا راز دار بنانا، ناجائز وممنوع ہے۔''

معلوم ہوا کہ رشتہ داری، دوستی اور پڑوسی ہونا بھی یہودیوں سے میل جول کے لئے عذر نہیں۔

غور فرمایئے کہ ان تمام امور کے باوجود مؤلفِ کتاب کا اس قسم کا واقعہ گھڑنا کہ جس سے حبیبِ کبریا (ﷺ) اور آپ کے اہل بیت کا اس ممنوع کام میں مشغول ہونا ظاہر ہوتا ہو، کس قدر قابل نفرت ولائق مذمت ہے، لیکن اس کے برعکس

ہماری مسلمان بہنیں اس واقعے کو بے حد عقیدت ومحبت سے عبادت سمجھ کرسنتی، سناتی ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں موت سے پہلے پہلے کامل سمجھ وشعور عطا فرمائے۔آمین

نیز سوچیئے کہ اگر آج کوئی مسلمان، یہودیوں سے میل جول رکھے، اپنے گھر والوں کو ان کے پاس آنے جانے سے نہ روکے اور اپنے فعل کو جائز قرار دینے کے لئے اسی خود ساختہ کہانی کو بطورِ دلیل پیش کرے، تو آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا تاثرات رکھیں گے؟....

ثالثاً اس لئے کہ سرکار (ﷺ) کا جواب میں بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمانا''اس امر کے مالک علی ہیں'' ثابت کرتا ہے کہ آپ کو اس معاملے میں کلی اختیارات سے نہیں نوازا گیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ واضح طور پر قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے،

''مَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَاقَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًااَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ط وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔اور نہ کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو (حق) پہنچتا ہے کہ جب اللہ ورسول کچھ حکم فرمادیں، تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔''

(پ۲۲۔الاحزاب۔۳۶)

(4) جب رسول اللہ (ﷺ) نے اسے کہا کہ اس امر کے مالک علی ہیں، تو آگے مذکور ہے کہ

"یہ سن کر وہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اجازت دیں، تو جنابِ سیدہ میرے گھر تشریف لے چلیں۔" آپ نے فرمایا، "اس امر کی مالک خود جنابِ سیدہ ہیں۔"

یہ حصہ کم از کم چار بے ادبیوں پر مشتمل ہے۔

(i) اس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (معاذ اللہ) جھوٹا ثابت کیا گیا ہے۔ کیونکہ مخبر اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان تھا، "اس امر کے مالک علی ہیں۔" جب کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ "اس امر کی مالک خود جنابِ سیدہ ہیں۔" معلوم ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اس امر کا مالک قرار دینا غلط بیانی پر مشتمل تھا۔ معاذ اللہ

(ii) خود حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب ایک غلط بات منسوب کی گئی ہے، کیونکہ عورت کو گھر سے نکلنے دینے یا نہ نکلنے دینے کا اختیار شوہر کو دیا گیا ہے، نہ کہ زوجہ کو۔

(iii) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب سے نیم رضامندی ظاہر کی گئی ہے، جس کی قباحت کچھ دیر قبل سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نیم رضامندی کے بیان کے تحت ذکر کر دی گئی۔

(iv) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب بے حیائی کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ ایک غیر مرد اور وہ بھی اسلام دشمن یہودی کو بلا ضرورتِ شرعیہ اپنی زوجہ سے ہم کلام ہونے کی اجازت دینے کو کون ذی شعور انسان حیاء و غیرت کی علامت

قرار دے سکتا ہے؟....

کیا آج کا مسلمان یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی یہودی براہِ راست اس کی زوجہ کے پاس آ کر اسے اپنی خرافات و نازیبا حرکات پر مشتمل تقریب میں شرکت کی دعوت دے؟...

یقیناً ہرگز نہیں، تو پھر ہم مسلمانوں کی حیاء منہ چھپا کر کہاں سو گئی کہ مولی علی شیرِ خدا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی جانب اس بے حیائی کو نہ صرف دیدہ دلیری سے منسوب کر رہے ہیں، بلکہ اسے کارِ ثواب بھی سمجھا جا رہا ہے۔....اللہ تعالیٰ ایسے نادان مسلمانوں کو ہوش و حواس کے ناخن لینے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

پھر اگر وہ یہودی یوں کہتا کہ

''اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میری خواہش ہے کہ آپ اپنی زوجہ سمیت ہماری شادی میں شرکت فرمائیں۔''

تو پھر بھی اس دعوت دینے کو معقول قرار دیا جا سکتا تھا، لیکن اس کی جانب سے شوہر کو نہیں، بلکہ صرف اور صرف زوجہ کو دعوت دی جا رہی ہے اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اظہارِ ناراضگی کے بجائے، بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس بھیج دیا۔ اس بات کو کون مسلمان درست مان سکتا ہے؟... کیا آپ اسے اپنے لئے روا رکھ سکتے ہیں؟...

(5) آگے مذکور ہے کہ

''اس کے بعد یہودی نے جنابِ سیدہ کے دروازے پر آواز دی کہ

اے بنتِ رسول! میری لڑکی کی شادی ہے، اگر آپ تشریف لے چلیں، تو میری عزت بڑھ جائیگی۔'' آپ نے جواب دیا،'' جناب امیر علیہ السلام سے اجازت لے لوں، تو چلوں۔'' یہودی نے کہا میں رسول خدا اور شیر خدا کی خدمت میں گیا تھا، سب نے آپ ہی کو مختار کیا ہے۔'' جنابِ سیدہ یہ سن کر متفکر ہوئیں۔''

یہ مقام بھی کئی قسم کی بے ادبیوں اور پڑھنے والے موجودہ زمانے کے نام نہاد مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کی کمزوری وناتوانی کی پکار پکار کر خبر دے رہا ہے۔ کیونکہ

(i) سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) قرآنی احکام سے بخوبی واقف تھیں۔ لھذا آپ جانتی تھیں کہ یہودیوں سے بلا اجازتِ شرع، میل جول اور دوستی، حرام وگناہِ کبیرہ قرار دی گئی ہے۔ اس مسلمہ حقیقت کے باوجود آپ کی جانب رضامندی کے اظہار کی نسبت ثابت کرتی ہے کہ مؤلفِ کتاب اپنی بد باطنی وخباثت کے باعث آپ کو ایک گناہِ کبیرہ کا مرتکب ثابت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کیونکہ گناہ کا پختہ ارادہ بھی گناہ ہے۔

(ii) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب (ﷺ) کے گھر والے غیر مردوں، بلکہ یہودیوں سے بھی بلا جھجک وبلا ضرورت کلام کیا کرتے تھے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ زہد وتقوی وشرم وحیاء کی پیکر خواتین مرد تو مرد، بلا ضرورتِ شرعیہ عورتوں سے بھی میل جول میں شدید احتیاط فرماتی تھیں۔

اور پھر اگر کسی شرعی ضرورت کے سبب کسی مرد سے ہم کلام ہونے کی ضرورت پیش آتی بھی، تو لہجہ نرم نہیں، بلکہ سخت ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے،

''یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ ۔ اے نبی کی بی بیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر اللہ سے ڈرو، تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔'' (پ۲۲۔الاحزاب۔۳۲)

تفسیر خزائن العرفان میں ہے،

''اس میں تعلیم آداب ہے کہ اگر بضرورت غیر مرد سے پس پردہ گفتگو کرنی پڑے، تو قصد کرو کہ لہجے میں نزاکت نہ آنے پائے اور بات میں لوچ نہ ہو۔ بات نہایت سادگی سے کی جائے۔ عفتِ مآب خواتین کے لئے یہی شایاں ہے۔''

(iii) بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب ایک غلط بات سن کر مجرمانہ خاموشی اختیار کرنے کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہودیوں سے بلا ضرورتِ شرعیہ میل جول حرام ہے اور وہ یہودی اس حرام کام کی اجازت، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف منسوب کر رہا تھا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس کے انکار کے بجائے معاذ اللہ (عزوجل) خاموش ہو کر اس بات کو مزید تقویت پہنچائیں کہ اللہ کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور شیر خدا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلافِ شرع کام کی اجازت دے سکتے ہیں؟....

(6) کچھ آگے مذکور ہے،

''اتنے میں جنابِ رسول خدا خود تشریف لے آئے۔ جنابِ سیدہ نے فرمایا، بابا جان! یہودی کے یہاں سے آدمی آیا ہے، آپ کیا فرماتے ہیں، اس کے گھر جائیں یا نہ جائیں؟... آپ نے فرمایا، بیٹی تم کو اختیار ہے۔''

یہ عبارت بھی کم از کم ''2'' بے ادبیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً

(i) مخبر صادق (ﷺ) کی جانب غلط بیانی کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ پہلے لکھا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے یہودی کو کہا کہ اس امر کے مالک علی ہیں۔'' اور یہاں لکھ دیا کہ ''بیٹی تم کو اختیار ہے۔''

(ii) یہاں بھی ایک حرام و گناہ کام کی نسبت رسول اللہ (ﷺ) کی جانب کرنے کا قبیح ترین ارتکاب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہودیوں سے بدلائل قرآن، دوستی و محبت و میل جول ممنوع و حرام ہے اور رسول اللہ (ﷺ) اس کے لئے اجازت مرحمت فرما رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(7) آگے مذکور ہے کہ

''جنابِ سیدہ نے عرض کیا، بابا جان! آپ کی سخت توہین ہو گی، کیونکہ ان کی عورتوں کے جسم پر عمدہ اور نفیس لباس و زیورات سے مزین ہوں گی اور میرے پاس وہی پھٹے پرانے کپڑے ہیں، جس میں جا بجا خرمے کے پیوند لگے ہیں۔'' رسول خدا نے فرمایا، ''بیٹی اسی حالت میں جاؤ، جو مرضیٔ معبود۔''

یہاں بھی واقعہ گھڑنے والے نے خوب جی بھر کر اللہ عزوجل کے سب سے

پیارے محبوب (ﷺ) کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت کی ہے۔ کیونکہ

(i) رسول اللہ (ﷺ) کی جانب منسوب جملے یعنی، ''بیٹی اسی حالت میں جاؤ، جیسے مرضیٔ معبود۔'' کا واضح مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ حبیبِ کبریا (ﷺ) ارشاد فرما رہے ہیں کہ ''بیٹی تمہارا اس حالت میں اللہ عزوجل کے نافرمانوں اور دشمنان اسلام کی شادی میں شرکت کرنا گو کہ میری سخت توہین کا سبب بنے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ چاہے میری سخت توہین ہو، اس شادی میں شرکت ضرور کی جائے۔''

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ ہماری نادان مسلمان بہنوں کو لڈو کے دھوکے میں زہر کھانے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ بے چاریاں ان منحوس بے ادبی پر مشتمل باتوں کو باعثِ ثواب اور قابل احترام سمجھ کر ایک دوسرے کو سناتی ہیں، لیکن یہ نہیں سوچتیں کہ ہم کس برائی کا ارتکاب کر رہی ہیں۔

**میری نادان مسلمان بہنو!**

ذرا غور کرو اور خوب سوچ سمجھ کر جواب دو کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب (ﷺ) کی توہین پر راضی ہوگا؟''....

یقیناً نہیں، ہرگز نہیں، کیونکہ خود قرآن میں اس کی واضح دلیلیں موجود ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اے ایمان

والو! راعنانہ کہواور یوں عرض کروکہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنواور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' (پ ا۔بقرہ۔۱۰۴)

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے مولانا نعیم الدین مرادآبادی تفسیر خزائن العرفان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جب حضوراقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام کو کچھ تعلیم وتلقین فرماتے، تووہ کبھی کبھی درمیان میں عرض کیا کرتے، ''رَاعِنَایَارَسُوْلَ اللّٰہِ !۔'' اس کے معنی یہ تھے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہمارے حال کی رعایت فرمائیے یعنی کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع دیجئے۔'' یہودیوں کی لغت میں یہ کلمہ سوءِ ادب (یعنی بے ادبی) کے معنی رکھتا تھا۔انہوں نے اس نیت سے کہنا شروع کیا۔حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہود کی اصطلاح سے واقف تھے۔آپ نے ایک روز یہ کلمہ ان کی زبان سے سن کر فرمایا، ''اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت ،اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا، تو اس کی گردن ماردوں گا۔'' یہود نے کہا، ''ہم پر تو آپ برہم ہوتے ہیں، مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں۔'' اس پر آپ رنجیدہ ہوکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں راعنا کہنے کی ممانعت فرمادی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ ''اُنْظُرْنَا (یعنی ہم پر نظرکرم فرمائیے)'' کہنے کا حکم ہوا۔مسئلہ:۔اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء (علیہم السلام) کی تعظیم وتوقیر اور ان کی جناب میں کلماتِ ادب عرض کرنا، فرض ہے اور جس کلمہ میں ترکِ ادب کا شائبہ بھی ہو، وہ زبان پر لانا ممنوع۔مسئلہ:۔اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) کی جناب میں بےادبی کفر ہے۔''

محبت و تعظیم رسول (ﷺ) کے جذبات سے سرشار مسلمان بہنو! ذرا اس تفسیر کو دل کی نگاہوں سے دیکھئے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے حبیب (ﷺ) کے لئے ایک ایسے کلمے کے استعمال کو بھی محبوب نہیں رکھتا کہ جس میں بے ادبی کا شبہ بھی ہو، تو پھر توہین حبیب (ﷺ) کس طرح گوارا فرمائے گا؟....

نیز حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے الفاظ پر غور کیجئے کہ "اے دشمنان خدا! تم پر اللہ کی لعنت۔" معلوم ہوا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک یہودی خدا کے دشمن اور لعنت کے مستحق تھے۔

یقیناً اب آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا بالکل دشوار نہ ہوگا کہ اس کتاب کے لکھنے والے نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب (ﷺ) نے اپنی صاحبزادی کو ایسے لوگوں کی شادی میں شرکت کی اجازت دی کہ جو اللہ تعالیٰ کے دشمن اور لعنتی لوگ تھے، بلکہ اسے اللہ عزوجل کی مرضی قرار دیا۔"....اور اس کے ساتھ ہی اس کا بے ادبی اور شدید ترین گستاخی پر مشتمل ہونا بھی آپ پر مخفی نہ رہے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس کتاب کو پڑھے تو؟....

اور اس پر بھی غور فرمایئے کہ کیا خرافات سے بھرپور تقریب اور دشمنان خدا اور رسول (عزوجل و ﷺ) کی محافل میں شریک ہونا، اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہو سکتا ہے؟"....

یقیناً یہاں بھی جواب انکار میں ہی ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

" وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے، تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔'' (پ ۷۔الانعام۔۶۸)

(8) آگے لکھا،

''چنانچہ جنابِ سیدہ جانے کو تیار ہو گئیں۔اپنی دیوڑھی تک نہ پہنچی تھیں کہ حوران جنت آسمان سے نازل ہوئیں اور جنابِ سیدہ کو لباس فاخرہ پہنایا۔ کچھ حوریں دائیں اور بائیں اور کچھ پیچھے اور کچھ آگے روانہ ہوئیں۔''

یقیناً جنتی ساز وسامان کے ساتھ، ان حوروں کا نازل ہونا اپنی مرضی سے نہ تھا، بلکہ اللہ عزوجل کے حکم سے ہی ہوگا۔لھذا معلوم ہوا کہ یہاں مؤلفِ کتاب نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔کیونکہ بے ادبوں، گستاخوں، فاسقوں اور دشمنان اسلام کی محفل میں شرکت کی اجازت، اس کے لئے اتنا زبردست اہتمام اور بنتِ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شرکت کے باعث یہودیوں کی عزت میں اضافہ ایسے امور ہیں کہ جن کو کوئی عام غیرت مند مسلمان بھی جائز ودرستِ قرار نہیں دے سکتا، چہ جائیکہ انہیں اللہ عزوجل کی جانب منسوب کیا جائے اور جب کہ خود معبودِ حقیقی نے قرآن پاک میں جابجا مقامات پر اس کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، تو اس پر راضی ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟....''

(9) آگے مذکور ہے، جس کا خلاصہ ہے کہ

''جنابِ سیدہ شان وشوکت کے ساتھ یہودی کے مکان پر پہنچیں۔یہ شان ووقار دیکھ کر تمام عورتیں بے ہوش ہو گئیں۔تھوڑی دیر بعد سب کو ہوش

آ گیا، لیکن دلہن کی روح پرواز کر گئی۔"

اس حصے کا من گھڑت اور جھوٹ پر مشتمل ہونا کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ جتنا بھی شان و وقار ہو، نہ تو کسی کے بے ہوش ہونے کا سبب بن سکتا ہے، نہ ہی آج تک اس کے سبب کسی کی جان جانا واقع ہوا۔ اگر ایسا ہی ہوتا، تو ہمارے نبی کریم (ﷺ) سے زیادہ شان و وقار والا پوری کائنات میں کون ہے؟.... چنانچہ آپ کو دیکھ کر یقیناً کئی لوگوں کے جنازے اٹھنے چاہیئے تھے، لیکن پوری حیاتِ پاک میں ایسا کوئی واقعہ نہ ہوا۔ یونہی حضرت یوسف (علیہ السلام) کا حسن پاک مشہور و معروف ہے، لیکن آپ کو دیکھ کر عدم توجہ کے باعث عورتوں نے زیادہ سے زیادہ اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں، کسی کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کی سعادت حاصل نہ کی تھی۔

اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ شان و وقار واقعی کسی کی بے ہوشی یا موت کا سبب بنا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ عورتوں کے ہوش میں آ جانے کے بعد بھی یہ وقار قائم رہا تھا یا نہیں؟... اگر نہیں، تو کیوں نہیں؟....

اور اگر جواب ہاں میں ہے، تو یہ وقار دوبارہ بے ہوشی.. یا.. موت کا سبب کیوں نہ بنا؟... کیا اس میں کوئی کمی آ گئی تھی.. یا.. وہ عورتیں اس کی تجلی برداشت کرنے کے قابل ہو گئیں تھیں؟....

(10) آگے لکھتا ہے،

"آناً فاناً شادی کا مکان ماتم کدہ بن گیا۔ جناب سیدہ کو تشویش لاحق ہوئی۔ انہیں تسلی دی کہ ابھی ہوش آ جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا

کر کہا، ''اے معبود میں بنتِ رسول ہوں، (پھر یہ شعر پڑھا)

صدیقہ نام رکھا ہے، تو نے بتول کا۔ جھوٹا نہ کی جیو مجھے صدقہ رسول کا

اس شعر میں اللہ تعالیٰ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب جھوٹ منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نام صدیقہ رکھا ہو۔ اور جو اللہ عزوجل کی جانب جھوٹ منسوب کرے، اللہ تعالیٰ نے اسے ظلم سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے،

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِباً ۔اور اس سے بڑھ کر ظالم کون، جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔'' (پ ۷۔ انعام ۔۹۳)

معلوم ہوا کہ مؤلفِ کتاب نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والی ثابت کیا۔ اور ہماری نادان مسلمان بہنیں اس جھوٹ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر الزام کو ثواب کی نیت سے بیان کرتی چلی جا رہی ہیں۔ افسوس صد افسوس..........

(11) آگے ذکر کیا کہ

''آپ کی دعا کی برکت سے یہودن کلمہ پڑھتی ہوئی ہوش میں آ گئی اور گواہی دی کہ محمد برحق رسول ہیں اور آپ ان کی دختر ہیں۔ جناب فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا یہ اعجاز دیکھ کر پانچ سو یہودی مرد اور عورت مسلمان ہو گئے اور آپ کو سب نے نہایت عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کیا۔''

یہاں بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب بے حیائی کی صراحۃً نسبت کی گئی


مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور پاکستان

ہے۔ ذرا ان الفاظ پر غور کریں کہ "جناب فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا یہ اعجاز دیکھ کر پانچ سو یہودی مرد اور عورت مسلمان ہو گئے اور آپ کو سب نے نہایت عزت وحرمت کے ساتھ رخصت کیا۔" معلوم ہوا کہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے تشریف لے جانے سے لے کر دلہن کے ہوش آنے تک فاسق وفاجر اور دشمنان رسول (ﷺ) عورتیں ہی تماشائی نہ تھیں، بلکہ اس منظر کو یہودی مرد بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، بنتِ رسول (ﷺ) کے یہودی مردوں کے سامنے آنے کی اس عظیم تہمت کو کارنامہ سمجھ کر سنایا جا رہا ہے؟.... اس پر سبحان اللہ کہا جا رہا ہے؟.... اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ثواب کی امید رکھی جا رہی ہے؟....

مسلمان بہنو! ذرا اپنے ایمان کی حفاظت کا شعور بیدار کرو۔ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تو وہ باحیاء خاتون ہیں کہ جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو اسماء بنتِ عمیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا،

"مجھے کھلے جنازے سخت ناپسند ہیں، کیونکہ ان میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔"

حضرت اسماء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے عرض کی، "جگر گوشۂ رسول (ﷺ)! میں نے حبشہ میں ایک طریقہ دیکھا ہے، آپ کہیں تو پیش کروں؟"... آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اسماء بنتِ عمیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے خرمے کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تان دیا۔ جس سے پردے کی صورت پیدا ہو گئی۔ اسے دیکھ کر آپ بے حد خوش ہوئیں۔ پھر حسبِ وصیت آپ اور بی بی زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا

جنازہ بھی اسی طریقے سے اٹھایا گیا۔'' (اسد الغابہ)

ذرا غور فرمایئے کہ جو عزت و ناموس کی حفاظت فرمانے والی باحیاء خاتون، بعدِ وفات بے پردگی سے بچنے کے لئے اتنا اہتمام فرما رہی ہے، کیا وہ اپنی زندگی میں سخت ترین پردے کا لحاظ نہ رکھتی ہونگی؟.....

مروی ہے کہ جب ایک مرتبہ رسول اللہ (ﷺ) نے آپ سے سوال کیا کہ اے فاطمہ! عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟''...تو آپ نے جواب دیا، ''کوئی نامحرم شخص اسے نہ دیکھے۔'' حبیبِ کبریا (ﷺ) نے اس جواب سے خوش ہو کر انہیں گلے سے لگالیا۔'' (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ صفحہ ۲۸)

لیکن افسوس کہ ہماری مسلمان بہنیں اجتماعی طور پر، بنیتِ ثواب ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ اس شرم وحیاء کی پیکر نے اپنی زندگی میں معاذ اللہ (عزوجل) خود کو یہودیوں کی نگاہوں کی زینت بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہماری ایسی نادان بہنوں کو اپنے قہر وغضب سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی الامین (ﷺ)

محترم مسلمان بہنو!

یہاں تک بیان کی گئیں باتیں اس سلسلۂ بے ادبی کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لھذا سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے آئندہ اس قسم کی کہانیاں سننے سے گریز فرمائیں اور سابقہ زندگی میں اس گناہ کے ارتکاب پر کامل توبہ بھی ضرور فرمایئے۔

اسی رسالے میں دوسرے واقعے سے قبل درج ہے، ''کہانی کا پہلا حصہ ختم

ہوا، معظّمہ نے دوسرا حصہ شروع کیا، سنارن نہایت دلچسپی اور اعتقاد سے سنتی رہی۔''

اس خود ساختہ کہانی کا خلاصہ اور اس پر ضروری تبصرہ حاضر خدمت ہے۔

## کہانی:۔

ایک بادشاہ شکار کے لئے گیا۔ اس کے ساتھ اس کی اور وزیر کی لڑکی بھی تھی۔ راستے میں آندھی طوفان کی بناء پر دونوں لڑکیاں اڑ کر پہاڑ پر جا گریں۔ بعدِ طوفان سب لوگ جمع ہو کر واپس آ گئے، لیکن دونوں لڑکیاں وہیں رہ گئیں۔ یہ لڑکیاں غم کی بناء پر رونے لگیں حتی کہ بے ہوش ہو گئیں۔ خواب میں ایک نقاب پوش معظّمہ خاتون نے مشورہ دیا کہ تم منت مان لو کہ جب اپنے والدین سے ملیں گے، تو جنابِ سیدہ کی کہانی سنیں گے۔'' ان لڑکیوں نے عالم غشی میں منت مان لی۔

## تبصرہ:۔

اس حصے میں بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی جانب ایک گناہِ کبیرہ کی نسبت کی گئی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ یہ نقاب پوش خاتون خود جنابِ سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) ہیں اور یہ لڑکیوں کو مشورہ دے رہی ہیں کہ تم جنابِ سیدہ کی کہانی سننے کی منت مان لو۔ اور اس کہانی سے مراد وہی یہودیوں کی شادی میں شرکت والا واقعہ ہے اور ثابت ہو چکا کہ وہ واقعہ من گھڑت اور خلافِ شرع امور سے بھرا پڑا ہے، جس کا پڑھنا، سننا اور سنانا سب حرام ہے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ مؤلفِ واقعہ نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کو ایک حرام کام کرنے کا مشورہ دیتے ظاہر کیا ہے۔ اور جس عبارت میں اکابرین کی جانب کسی گناہ و حرام کام کو منسوب کیا ہو، معلوم ہو جانے کے بعد بھی اسے سننا سنانا کم از کم کسی زندہ دل صاحبِ ایمان سے ہرگز متوقع نہیں۔

کہانی:۔

پھر کسی دوسرے ملک کا بادشاہ انہیں پہاڑوں کے پاس شکار کے لئے آیا اور کسی طرح ان لڑکیوں پر مطلع ہوا اور ان سے ان کے حسب نسب کے بارے میں پوچھا، انہوں نے بتادیا، پھر اس نے درخواست کی کہ اے لڑکیو! اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ چلو۔ لڑکیاں راضی ہوگئیں۔

تبصرہ:۔

اولاً تو ایک عاقل وسمجھدار مسلمان بادشاہ سے اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ قدرت رکھنے کے باوجود، جوان لڑکیوں کو ان کے گھر پہنچانے کے بجائے اپنے ساتھ جانے کی خلافِ شرع پیشکش کرے۔

اور بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیا جائے، تو جوان اور خصوصاً شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کا اپنے گھر والوں سے بچھڑنے کی صورت میں ایک غیر واجنبی مرد کے ساتھ کسی دوسرے مقام پر جانے کے لئے راضی ہوجانا اور پھر برضا ورغبت چلا بھی جانا، تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ شائد واقعہ گھڑنے والے کے خاندان کی عورتوں میں یہ عادت پائی جاتی ہوگی۔

کہانی:۔

وہ انہیں اپنے ساتھ اپنے ملک لے گیا۔ پھر ان لڑکیوں کے والدین کو معلوم ہوگیا کہ لڑکیاں اس کے پاس ہیں، چنانچہ انہوں نے واپسی کے لئے پیغام بھیجا۔ اس دوسرے بادشاہ نے پیشکش کی کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے بیٹے اور وزیر کی لڑکی کی

میرے وزیر کے بیٹے سے کردی جائے۔راضی ہوجانے کے بعد شادی سرانجام پاگئی۔

تبصرہ:۔

اس سے ثابت ہوا کہ شادی سے قبل دوسرا بادشاہ، پہلے والے بادشاہ کے بارے میں اچھی طرح جان چکا تھا۔یقیناً جب عام شخص اپنے بیٹے بیٹی کی شادی کرنا چاہے،تو نکاح سے قبل فریق ثانی کے بارے میں ہر طرح کا اطمئنان حاصل کرتا ہے،تب ہی جا کر رضامندی کا اظہار کیا جاتا ہے۔جب عام انسانوں کا یہ طریقہ ہے،تو اس بادشاہ نے تو بدرجہ اولیٰ تحقیق کروائی ہوگی۔کیونکہ اسی رشتے پر اس کی اگلی نسلوں کا دارومدار تھا۔

یہ تفصیل پیش نظر رہے کہ آگے تک بندی کی نشاندہی کے لئے اس کا ذہن میں رہنا ضروری ہے۔

کہانی:۔

اسی گہما گہمی میں لڑکیاں جنابِ سیدہ کی کہانی سنانا بھول گئیں۔جب دونوں سسرال کی جانب روانہ ہوئیں،تو معلوم ہوا کہ ایک لوٹا جو جہیز میں ملا تھا،وہ وہیں رہ گیا ہے۔راستے میں شام ہوگئی،آخر ان لوگوں نے قیام کیا اور لوٹا تلاش کیا،مگر نہ ملا۔معلوم ہوا کہ لوٹا گھر پر ہی رہ گیا ہے۔وزیر نے ایک سپاہی کو روانہ کیا کہ لوٹا لے آؤ۔

تبصرہ:۔

لگتا ہے اس مقام پر واقعہ گھڑنے والے کی عقل حقیقۃً گھاس چرنے کے لئے روانہ ہوگئی تھی۔ ذرا غور فرمائیں کہ کیا کہیں ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک بادشاہ زادی کی بارات واپس جارہی ہو اور پورا لشکر لوٹے کے غم میں مبتلاء ہوکر سفر ترک کردے، حتی کہ وزیر صاحب، لوٹے کی جدائی کے صدمے سے دلبرداشتہ ہوکر ایک سپاہی کو اس کی تلاش کے لئے روانہ کرنے پر مجبور ہوجائیں؟....

فرض کیجئے آپ نے اپنے بیٹے کی شادی، کسی دوسرے شہر میں کی۔ واپسی میں جب بارات سفر طے کرتی درمیان میں پہنچی ،تو آپ کو معلوم ہوا کہ جہیز میں دیا گیا ایک عدد لوٹا غائب ہے،تو کیا آپ کسی اسٹیشن پر رک کر لوٹا تلاش کرنا شروع کردیں گے؟....اور جب باوجود کوشش کے لوٹا نہ ملے،تو کیا اپنے گھر والوں میں سے کسی کو خصوصی طور پر لوٹا لانے کے لئے میکے بھیجا جائے گا؟....

حیرت ہے کہ ہماری مسلمان بہنیں ان چیزوں کو مردوں سے بہتر سمجھ سکتی ہیں،لیکن اس کے باوجود ایک شخص من گھڑت قصوں کے ذریعے انہیں بیوقوف بنارہا ہے اور یہ آنکھیں بند کرکے اپنے ناقص العقل ہونے کا ثبوت دئے چلی جارہی ہیں۔

کہانی:۔

سپاہی گیا،تو دیکھتا کیا ہے کہ جہاں محل تھا،وہاں میدان ہے،نہ تخت نہ تاج ،نہ بادشاہ ہے،نہ فوج،صرف میدان میں لوٹا رکھا ہے۔چاہا کہ لوٹا اٹھالے،جیسے ہی ہاتھ بڑھایا،یکا یک اس لوٹے میں سے سانپ نے پھن نکالا۔اس نے کافی کوشش کی کہ لوٹا حاصل کرلے،لیکن ممکن نہ ہوا۔

تبصرہ:۔

یہ سب جھوٹ و بکواس پر مشتمل ہے۔اس قسم کی باتیں بچوں کی کہانیوں میں تک تو مناسب نظر آتی ہیں،جب کہ اصلاح کی نیت سے ہوں،لیکن ان کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔اپنے اکابرین اور خصوصاً شہزادیٔ رحمتِ کونین (ﷺ) کی جانب ایسی بے سرو پا باتیں منسوب کردینا،سخت ممنوع و بے ادبی ہے اوران کا ایک دوسرے کوسننا سنانا شدید نا جائز۔

کہانی:۔

مجبوراًاپنے بادشاہ کے پاس آکر سارا ماجرا بیان کیا۔بادشاہ یہ سن کر حیران ہوا۔دلہنوں کے پاس آیا اور ماجرا پوچھا اور بولا لگتا ہے تم جادوگر کی لڑکیاں ہو۔یہاں تک آنے میں یہ گل کھلائے،گھر تک جاتے میں کیا کروگی۔اس وقت تم کو قید کرتا ہوں ،صبح قتل کردوں گا۔یہ کہہ کر خیمے میں چلا گیا۔

تبصرہ:۔

سبحان اللہ!نہ صفائی کا موقع دیا،نہ ہی یہ یادرہا کہ ان میں سے ایک بادشاہ کی اور دوسری وزیر کی بیٹی ہے،جن کے بارے میں پہلے ہی تحقیق کی جا چکی ہے۔

ایک سپاہی کی بات پر اتنا کامل یقین کہ سسر صاحب نے فوراً بہو کے قتل کی ٹھان لی۔یعنی سپاہی کی بات کی حقیقت جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ جھوٹ کہہ رہا ہے یا سچ اور جس کی حقیقت جان چکے تھے،اسے فراموش کردیا۔

پھر ہر بادشاہ کے کچھ نہ کچھ مشاور (مشورہ دینے والے) ضرور ہوتے ہیں،جن

سے اچانک آجانے والی افتادو دیگر ضروری امور میں مشورہ لیا جاتا ہے۔لیکن اس سمجھ دار بادشاہ نے نہ کسی سے مشورہ لیا، نہ آئیندہ کے بارے میں سوچا کہ اگر سپاہی نے جھوٹ بولا ہو،تو دوسرے بادشاہ سے تعلقات کس قدر متاثر ہو سکتے ہیں۔

لیکن یہ سب کیسے ہوتا، جب کہ اس رسالے کے مؤلف نے پختہ ارادہ کرر کھا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کے خاندان کی ایک پاکیزہ فطرت خاتون کا ظالمانہ تصور ضرور قائم کر کے رہے گا۔

## کہانی:۔

یہ سن کرلڑکیاں رونے لگیں حتی کہ بے ہوش ہوگئیں۔عالم غشی میں اسی نقاب پوش معظّمہ کو دیکھا،انہوں نے کہا،''تم نے پہاڑ پر منت مانی تھی،لیکن پھر کہانی نہیں سنی ،اسی بدعہدی کی سزامیں یہ عذاب نازل ہوا ہے،اب تم اسی قید خانے میں کہانی سنو۔''

## تبصرہ:۔

واہ! کہانی نہ سنی،تو فوراً عذاب نازل ہوگیا۔نماز،روزہ،حج ،زکوۃ وغیرھا کے ترک اور دیگر بے شمار کبیرہ گناہوں پر،تو عذاب نازل نہ ہو، درگزر فرمایا جاتا رہے،لیکن کہانی نہ سنانے کا جرم اتنا بڑا ہے کہ اللہ عزوجل نے فوراً کھال کھینچنے کا ارادہ فرمایا۔

اس پہلو پر بھی غور کریں کہ یہ منت اللہ کے لئے نہیں ، بلکہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کے لئے مانی گئی تھی، چنانچہ اس کے پورے نہ کرنے پر عذاب کا نزول ،اللہ تعالیٰ کی نہیں ، بلکہ بنتِ رسول (رضی اللہ تعالی عنہا) کی ناراضگی کے سبب ماننا پڑے

گا۔ جب یہ مان لیں گے، تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ رحمت اللعلمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی نے فقط اپنے فضائل نہ سنانے کی بناء پر کسی کو مصیبت میں گرفتار کروا دیا۔ اور اسے وہی درست تسلیم کرے گا کہ جس کے دل میں آل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف بغض بھرا ہوا ہو.. یا.. دعوی عقیدت کے ساتھ ساتھ شدید جہالت میں مبتلاء ہو۔

نیز اگر بادشاہ کے قتل کی دھمکی کا ڈرامہ، حقیقت بھی ہوتا اور واقعی وہ خاتون، خاتون جنت ہوتیں، تب بھی خاندان رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چشم و چراغ اور براہ راست حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربیت یافتہ صاحبزادی، ہرگز قرآنی تعلیمات سے ہٹ کر مشورہ عنایت نہ فرماتیں۔ چنانچہ ان کی زبان پر ذکر کہانی نہیں، بلکہ درج ذیل مضمون پر مشتمل کوئی آیتِ کریمہ جاری نظر آتی'' یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ یعنی اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔''

(پ۲۔ بقرہ۔ ۱۵۳)

یا یہ آیتِ پاک'' وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ☆ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ☆ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۙ وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے


مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور پاکستان

، کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔'' (پ۲۔بقرہ۔۱۵۵۔۱۵۶۔۱۵۷)

لیکن جیسا کہ پہلے خدشہ ظاہر کیا گیا کہ اس کتاب کے مؤلف کا مقصد خاندان رسالت (ﷺ) کی محبت عام کرنا نہیں ، بلکہ انہیں قرآنی تعلیمات سے دور اور اپنے فضائل ومناقب سننے کا عادی ثابت کرنا معلوم ہوتا ہے۔اس کے مذموم ارادے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہ ان اکابرین کا نام روشن نہیں، بلکہ بدنام کرنا چاہتا ہے۔اور بدقسمتی سے ہماری مسلمان بہنیں ایسے مکروہ ذہن رکھنے والے شخص کے ناپاک ارادوں کو پورا کرنے کے سلسلے میں مکمل طور پر ساتھ دینے کے لئے ہمہ وقت تیار نظر آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں عقل سلیم عطا فرمائے۔آمین

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ منت دو طرح کی ہوتی ہے۔

(۱) شَرَعِی۔(۲) عُرُفی۔

(۱) شَرَعِی:۔

وہ منت جس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اگر پوری نہ کی، تو منت ماننے والا گناہ گار اور اگر توبہ کئے بغیر مرا، تو ناراضگی رب کی صورت میں آخرت میں حساب وکتاب بھی ہوگا۔اس میں اللہ کے لئے کسی عبادت کو اپنے اوپر لازم کیا جاتا ہے۔یہ کبھی کسی کام کے ساتھ مشروط کی جاتی ہے، مثلاً یوں کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا، تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک روزہ رکھوں گا..اور..کبھی مطلقاً مانی جاتی ہے، مثلاً

بغیر کسی غرض کے یوں کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک ماہ کا اعتکاف ہے۔

(۲) عُرفی:۔

وہ منت جس کا پورا کرنا مباح..اور..حسنِ نیت وافعال محمودہ کے ساتھ اور ممنوعاتِ شرعیہ کے بغیر ہو، تو مستحب ہے۔ چنانچہ مباح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا، نہ کرنا برابر ہے، یعنی نہ گناہ نہ ثواب...اور...مستحب ہو، تو اب پورا کرنا باعثِ ثواب اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں، نہ آخرت پر کسی قسم کا کوئی مؤاخذہ ہوگا۔ اس میں عبادت تو اللہ کی رضا کے لئے ہی اختیار کی جاتی ہے، لیکن اکثر مقصود کسی نبی یا ولی کو وسیلہ بنا کر آفت ومصیبت سے نجات..یا..کسی نعمت کا حصول ہوتا ہے۔

غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اگر ان لڑکیوں کا منت ماننا حقیقت تسلیم کر بھی لیا جائے، تو یہ منت عرفی ہوگی، نہ کہ شرعی۔ اور منتِ عرفی میں کسی قسم کا عذاب یا مؤاخذہ نہیں۔ چنانچہ یہاں ذکر عذاب فقط جہالت..یا..باطنی شیطان پن کا نتیجہ ہے۔

نیز یہ منت، عالم غشی میں مانی گئی تھی۔ یہ وہ حالت ہے کہ جس میں شریعت، مسلمان کو بے شمار احکام پر عمل میں رخصت عطا فرما دیتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ منت، شرعی ہوتی، تب بھی حالتِ غشی میں مانی جانے کی بناء پر اس کا پورا کرنا لازم نہ ہوتا، چہ جائیکہ منتِ عرفی کہ جس کا پورا کرنا عالم ہوش میں بھی ضروری نہ تھا اور پھر اس پر عذاب نازل ہونے کا ذکر؟...اس سے بھی مؤلف کے مقاصدِ قبیحہ کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔

کہانی:۔

لڑکیوں نے کہا، ''قید خانے میں پیسے کہاں؟''...فرمایا، ''تمہارے آنچل

میں دو درہم بندھے ہیں۔'' ہوش میں آنے پر لڑکیوں نے دیکھا کہ واقعی آنچل میں دو درہم بندھے ہیں۔ انہوں نے کسی تدبیر سے شیرینی منگوائی اور ایک نے کہانی کہی، دوسری نے سنی۔

## تبصرہ:۔

وہ دونوں شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں تھیں، نہ کہ کسی کے گھر کام کرنے والی ماسیاں کہ اپنے آنچل میں پیسے باندھ کر رکھتیں۔ بادشاہوں کے ہاں ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ وہ ہیرے جواہرات میں کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں، نہ کہ برے وقت کے لئے ایک ایک یا دو دو درہم بچا کر رکھنے والے۔

شیرینی منگوانے کا ڈرامہ بھی خوب لکھا گیا ہے، جسے سن کر کوئی پاگل ہی یقین کر سکتا ہے۔ دوران سفر اور اطراف میں چلنے والے سب دوسرے بادشاہ کے غلام ونوکر وسپاہی، لیکن پھر بھی شیرینی دستیاب ہو ہی گئی۔ شائد کسی نے جنگل میں مٹھائی کی دکان کھول لی ہوگی۔

نیز کہانی کی منت پوری کرنے کے لئے مٹھائی کی موجودگی کیوں ضروری ہے؟.....

## کہانی:۔

صبح بادشاہ نے ان کے قتل حکم دیا۔ انہوں نے اپنا گھر دوبارہ دکھوانے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے ایک سپاہی بھیجا، تو دیکھا کہ سب کچھ موجود ہے۔ ماجرا پوچھا تو ان لڑکیوں نے سب کچھ بتا دیا۔ پھر بادشاہ نے انہیں رہا کر دیا۔

**تبصرہ:۔**

انہیں جادوگر کی لڑکیاں تصور کرنے اور قتل کا حکم دینے کے بعد پھر بادشاہ کا ان ہی کی بات پر اعتماد کر کے سپاہی کو بھیجنا حقیقت سے بے حد بعید اور یقیناً ہر اہل فہم کے فہم سے بے حد قریب ہے۔

**کہانی:۔**

یہ کہانی سنارن سے کہہ کر جناب سیدہ روپوش ہو گئیں۔ جب سنارن واپس آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ جن جن لوگوں نے کہانی سننے سنانے سے انکار کیا تھا اور فضول سمجھا تھا، ان کے گھروں میں آگ لگ گئی تھی۔

**تبصرہ:۔**

یہ بالکل بکواس اور اللہ عزوجل کی جانب خفیہ طریقے سے ظلم کی نسبت کی مکروہ ترین کوشش کا عملی نمونہ ہے۔ کیونکہ جنابِ سیدہ کی کہانی سننے، سنانے سے انکار کرنا نہ کوئی بے ادبی تھا، نہ ہی کسی قسم کا گناہ، بلکہ بتوفیق الٰہی (عزوجل) اس کا خرافات و کثیر حرام امور پر مشتمل ہونا، ماقبل میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا، جس سے ثابت ہوا کہ اس کہانی کا سنانا حرام اور نہ سنانا بالکل جائز و درست فعل تھا، لھذا انکار کرنے والے تعریف و ثناء کے مستحق تھے، نہ کہ قابل مذمت۔ اور اللہ تعالیٰ کسی جائز کام کے ارتکاب پر عذاب نازل نہیں فرماتا۔ چنانچہ اگر خلافِ عقل و شرع ایسا تسلیم کر لیا جائے، تو معاذ اللہ (عزوجل) اس کا ظالم ہونا لازم آئے گا اور اللہ عزوجل کی جانب نسبتِ ظلم حرام و کفر ہے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے،''اِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ اللہ ایک ذرہ بھر (بھی) ظلم نہیں فرماتا۔''(پ۵۔نساء۔۴۰)

آخر میں ایک دعاذکر کی گئی ،جس کا عنوان ہے،''زیارتِ جناب سیدہ (رضی اللہ تعالی عنہا)''۔اس میں اعرابی اغلاط کی کثرت تو ہے ہی،لیکن یہاں چند ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ جن کی بناء پر واضح ہوجاتا ہے کہ اس کتابچے کو وضع کرنے والا شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔نیز عاشق اکبر،خلیفہ ُرسول برحق حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ) کومعاذ اللہ بنتِ رسول ((رضی اللہ تعالی عنہا) کاحق غصب کرنے والا اور ظالم تصور کرتا ہے۔وہ الفاظ یہ ہیں۔

''السلام علیک ایتھاالمظلومة الممنوعة حقھا ۔یعنی اے وہ خاتون کہ جس پرظلم کیا گیا،جس کاحق روک لیا گیا،تجھ پر سلامتی نازل ہو۔''

ان الفاظ میں ''مسئلۂ فَدَک'' کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔معجم البلدان (جلد۴،صفحہ۲۳۸۔۲۴۰) میں ہے کہ فدک،حجاز کی ایک بستی کانام ہے، جومدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھی۔فدک کے علاقے میں بکثرت کھجوروں کے درخت اور بہتے ہوئے چشمے تھے۔

جب حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیبر پر حملہ فرمایا،تو تین قلعوں کے علاوہ بقیہ تمام قلعوں کو فتح فرمالیا۔جب محاصرہ سخت ہوا،تو ان قلعے والوں نے درخواست پیش کی کہ اگر آپ ہمیں یہاں سے جلاوطن ہونے دیں،تو ہم قلعوں کے دروازے کھول دیں گے۔''....آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔جب اہل فدک کو اس

کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی پیغام بھیجا کہ وہ فدک کے پھلوں اور اموال کا نصف دے کر صلح پر تیار ہیں۔ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پیشکش کو قبول فرمالیا، چنانچہ یہ اموال بطورِ فئے حاصل ہوگئے۔ فئے اس مال غنیمت کو کہا جاتا ہے کہ جس کو دشمن سے حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں نے کوئی مشقت نہ اٹھائی ہو۔ یہ تمام مال حبیبِ کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرانتظام رہتا تھا۔ جسے آپ بحکم الٰہی اپنی ضروریات، اپنے اقرباء، فقراء، مساکین، مسافروں اور عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ''مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ جو غنیمت (یعنی مال فئی) دلوائی اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے اور (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے) رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔'' (پ ۲۸۔ حشر۔ ۷)

جب سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وصال ظاہری ہوا اور باتفاقِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)، سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ نامزد ہوئے، تو بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے فدک کو اپنے بابا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ترکہ قرار دیتے ہوئے بطورِ وراثت اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ جواب میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ارشاد فرمایا، ''اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔ یعنی بے شک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہمارا تمام ترکہ صدقہ

ہے۔“.....نیز فرمایا،”لَسْتُ تَارِكاً شَيْئاً كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَعْمَلُ بِهٖ اِلَّا عَمِلْتُ بِهٖ اِنِّيْ اَخْشٰى اَنْ تَرَكْتُ شَيْئاً مِّنْ اَمْرِهٖ اَنْ اَزِيْغَ۔ یعنی میں رسول اللہ (ﷺ) کے کئے ہوئے کاموں میں سے کسی کو ترک نہ کروں گا۔ بے شک مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ (ﷺ) کے کئے ہوئے کاموں میں سے کسی کام کو ترک کیا، تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔“[1]

اس پر بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بتقاضائے بشریت ناراض ہو گئیں۔ لیکن یہ ناراضگی اس سبب سے نہ تھی کہ آپ نے اس حدیث کو معاذ اللہ غلط سمجھا، بلکہ اس گمان کی وجہ سے تھی کہ علاقہ فدک اس حدیث سے مستثنیٰ ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ناراضگی تاحیات رہی۔ چنانچہ امام بخاری (رحمہ اللہ الباری) سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے روایت فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ (ﷺ) کی صاحبزادی غضبناک ہوئیں اور ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور تادمِ مرگ ان سے نہ ملیں۔“ (جلد ۱۔ صفحہ ۴۳۵)

لیکن صحیح یہ ہے کہ مذکورہ سبب کی بناء پر آپ کی ناراضگی وقتی طور پر تھی۔ بعد میں چونکہ آپ بیمار ہو کر گوشہ نشین ہو گئیں تھیں، لھذا رواۃ نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے ناراضگی کی بناء پر ایسا طرزِ عمل اختیار فرمایا۔ اس پر دلیل امام بیھقی کی روایت کردہ یہ حدیثِ پاک ہے۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بیمار ہوئیں، تو ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ حضرت

[1] صحیح مسلم۔ باب حکم الفیء

علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس کی اطلاع دی۔ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے دریافت کیا کہ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟"....حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آکر فرمایا، "بخدا میرے ترکے سے میرا مکان، میرا مال، میرے اہل اور میرے رشتہ دار اور جو کچھ بھی ہے، وہ سب اللہ (عزوجل)، اس کے رسول (ﷺ) اور اے اہل بیت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ کی رضا کے لئے ہے۔" پھر آپ نے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو راضی کیا، حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔" (سنن کبریٰ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۰۱)

اسی مسئلہ فدک کی بناء پر شیعہ، سیدنا ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو مظلومہ قرار دیتے ہیں، جس کا لازماً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے معاذ اللہ آپ پر ظلم کیا تھا۔ نیز ان کا دعویٰ ہے کہ یہ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا حق تھا، جسے روک لیا گیا۔ اس طرح خلیفہ رسول (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو معاذ اللہ حق غصب کرنے والا ثابت کرنے کی مکروہ کوشش بھی کی جاتی ہے۔

ویسے تو سابقہ تفصیل سے ہی واضح ہو چکا ہے کہ علاقہ فدک کو بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حوالے نہ کرنا اپنی ذات یا کسی غرضِ فاسد کی بناء پر نہ تھا، بلکہ بحکم سرکار (ﷺ) عمل کیا گیا تھا اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی اس سے راضی ہو گئیں تھیں۔ لیکن وسوسہ شیطانی کی مکمل کاٹ کے لئے چند امور پر توجہ بہت بہتر رہے گی۔

(i) حضرت سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی جانب سے بحکم سرکار

(ﷺ) وراثت سے انکار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اہل بیت کو بالکلیہ محروم فرما دیا تھا، بلکہ آپ اس علاقہ کی آمدنی میں سے اہل بیت کو ان کی ضروریات کے مطابق حصہ عنایت فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ خود شیعہ عالم کمال الدین میثم لکھتا ہے،

''ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فدک کی آمدنی وصول کرتے اور اس میں سے اہل بیت کو ان کی ضروریات کے مطابق دیتے، بعد میں خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا۔''

(شرح نہج البلاغہ۔ جلد ۵۔ صفحہ ۱۰۷)

(ii) حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی حضرت ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیان کردہ حدیثِ پاک کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت عباس اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے ارشاد فرمایا، '' اَنْشُدُ کُمَا بِاللّٰہِ الَّذِیْ بِاِذْنِہٖ تَقُوْمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ قَالَا نَعَمْ ۔ یعنی میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں کہ جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں کہ کیا تم دونوں یہ جانتے ہو کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ ''ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہے۔'' ان دونوں نے جواب دیا، ''ہاں۔'' (باب حکم الفیء)

یہی وجہ تھی کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ مقرر ہوئے اور تقریباً پانچ سال تک امورِ خلافت سرانجام دیتے رہے، لیکن اس عرصے کے دوران، تمام تر اختیارات رکھنے کے باوجود آپ نے یہ علاقہ آلِ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے

حوالے نہ فرمایا۔اب اگر اس علاقے پر واقعی بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا حق تھا اور اسے حوالے نہ کرنا ہی ظلم اور غصب تھا، تو بتائیے کہ حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں کیا حکم لگایا جائے گا؟.....

(iii) اگر سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فقط بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ ہی یہ رویہ اختیار کرتے، تو شائد وسوسہ شیطانی کے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔لیکن آپ نے بحکم حدیث یہی طرزِ عمل، ازواجِ رسول (ﷺ) کے ساتھ بھی روا رکھا تھا۔اور یقیناً قارئین جانتے ہیں کہ سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ (ﷺ) کی سب سے محبوب زوجہ تھیں۔چنانچہ ان نفوسِ قدسیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بھی بطورِ وارثت کچھ عطا نہ کرنا، حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ایمان داری کی واضح دلیل ہے۔

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ (ﷺ) وفات پا گئے، تو آپ کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس بھیج کر رسول اللہ (ﷺ) کی میراث میں سے حصہ طلب کیا جائے۔تو میں نے ان سے کہا کہ یہ سوال جائز نہیں، کیا رسول اللہ (ﷺ) نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے، وہ صدقہ ہے۔'' (باب حکم الفیء)

**اس رسالے کو پڑھنے والی میری محترم لیکن نادان بہنو!**

ذرا غور کرو کہ ایک شخص حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو معاذ اللہ ظالم

وغاصب قرار دے رہا ہے اور آپ اسی کا مرتب کردہ رسالہ اس امید پر پڑھ رہی ہیں، بلکہ دوسروں کو جمع کر کے سنا رہی ہیں کہ ہمیں اس سے برکت حاصل ہوگی؟.... جس دعا میں خلیفہ رسول، یارِ غار (رضی اللہ تعالی عنہ) پر غلط الزامات لگائے جارہے ہیں، آپ اسے اس لئے پڑھ رہی ہیں کہ ہمیں بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہا) کی زیارت ہو جائے گی؟...لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

یقیناً آپ کی غیرتِ ایمانی اسی بات کا تقاضا کرے گی کہ اس رسالے کو بابرکت نہیں، بلکہ برکت لے جانے والا قرار دیا جائے۔ نیز سابقہ زندگی میں جتنی مرتبہ اس کو پڑھنے کا گناہ سرزد ہوا، اس پر کامل توبہ بھی واجب ہے۔ نیز آپ پر لازم ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے، علم نہ رکھنے والی مسلمان بہنوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کی دیانت دارانہ کوشش تاحیات جاری رکھیں۔

راقم کی گھروں کے سرپرست مردوں کی خدمت میں خصوصی درخواست ہے کہ اپنے گھر کی برکت اور گھر والوں کے ایمان کی سلامتی کی خاطر اس رسالے کا پڑھنا، پڑھانا سختی سے روکیں، ورنہ بروزِ قیامت آپ کی بھی سخت گرفت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۔یعنی اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ، جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔'' (پ۲۸۔تحریم۔٦)

☆/☆/☆/☆/☆/☆/☆/

دوسرا رسالہ بنام ''دس بیبیوں کی کہانی'' بھی موضوع ومن گھڑت باتوں کا پلندہ ثابت ہوا۔ چونکہ اس رسالے میں طوالت زیادہ ہے، لھذا پورا نقل کرنے کے بجائے فقط اغلاط پر مشتمل باتوں کی نشاندہی کی جائے گی۔ چنانچہ

(i) اس کے شروع میں ہی لکھا ہے، **''الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خیرالمرسلین والہ الطیبین الطاھرین المعصومین۔**

**تبصرہ:۔**

یہاں آل رسول (ﷺ) کو معصومین لکھا ہے۔ یہ عقائد اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک صرف انبیاء وملائکہ ہی معصوم ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی معصوم نہیں۔ ہاں اولیاء عظام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بعطائے الٰہی (عزوجل) محفوظ ہو سکتے ہیں۔

(ii) اس کہانی میں ایک عورت کو نیک قرار دیا گیا ہے۔ اس کا شوہر تلاش معاش کے سلسلے میں باہر گیا تو اس نے دل میں کہا، ''اے پالنے والے! تو ہی رزاق ہے، اب تو میرا شوہر بھی چلا گیا، اب مجھ کو کون کھانے کو دے گا۔''

**تبصرہ:۔**

کلام میں تضاد بیانی بالکل واضح ہے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کو رازق تسلیم کرنا، دوسری طرف یہ خدشہ کہ مجھے کون کھلائے گا۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو رازق تسلیم

کرنا قلبی اعتقاد کے ساتھ ہر گز نہ تھا، ورنہ کھانے کے بارے میں خدشات تنگ نہ کرتے ۔اور اس قسم کے خدشے صرف اسی کو لاحق ہوتے ہیں کہ جسے اللہ عزوجل پر کامل بھروسہ نہ ہو اور وہ فقط اسبابِ ظاہری پر ہی نگاہ رکھتا ہو۔اور جو ان صفات سے متصف ہو، اسے نیک کہنا نیکوں کی توہین ہے۔معلوم ہوا کہ ایسی عورت کو نیک قرار دینا بالکل درست نہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلفِ کتاب یا تو جاہل ہے کہ اسے نیک کے معنی ہی معلوم نہیں..اور یا..پھر ہماری مسلمان بہنوں کو توکل سے دور کرنے کی مکروہ سازش میں مصروفِ عمل ہے۔اور یہ دونوں باتیں ہی قابل مذمت ہیں۔

(iii) آگے مذکور ہے کہ اس نے مجبور ہوکر اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ہاں کام شروع کر دیا۔ان کی طرف سے ذلت آمیز رویہ برداشت کرنا پڑا، جس کی بناء پر ایک دن روتے روتے سوگئی، خواب میں ایک نقاب پوش بی بی تشریف لائیں اور فرمایا،''اے نیک خاتون تو اپنے شوہر کے لئے پریشان نہ ہو۔ان شاء اللہ (عزوجل) تیرا شوہر صحیح وسالم تجھ سے آکر ملے گا،تم جمعرات کے دن دس بیبیوں کی کہانی سنو،کہانی دس بیبیوں کی بہت سچی اور آزمودہ ہے۔''

**تبصرہ:۔**

جیسا کہ ماقبل ثابت ہو چکا کہ یہ نقاب پوش خاتون بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنہ) تھیں۔ چنانچہ اس حصے میں آپ کی جانب ایک جھوٹ منسوب کیا گیا ہے۔کیونکہ اس رسالے میں موجود مواد سچ نہیں، بلکہ جھوٹ وخرافات کا مجموعہ ہے۔چنانچہ اسے سچا قرار دینا،صاف جھوٹ ہے اور جھوٹ گناہِ کبیرہ ہے۔لھذا معلوم ہوا کہ اس شخص

نے بنتِ رسول (رضی اللہ تعالی عنہا) کی جانب گناہِ کبیرہ کی نسبت کی ہے۔اور یقیناً یہ فیصلہ کرنا بالکل دشوار نہ ہوگا کہ رسول خدا (ﷺ) کی پاکیزہ فطرت صاحبزادی کی جانب گناہِ کبیرہ منسوب کرنا، خود بہت بڑا گناہ اور حرام فعل ہے۔اور جب اس کا گناہ ہونا ثابت، تو اس کو سننا یا سنانا بھی ممنوع قرار پائے گا۔

حیرت ہے کہ سننے، سنانے والی ہماری نادان بہنیں اسی رسالے کے آخر میں ناشر کی جانب سے لکھے گئے ان الفاظ پر بھی غور نہیں کرتیں،

''نوٹ:۔اس قسم کی کہانیوں کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں۔''

پھر یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ رسالے کا نام دس بیبیوں کی کہانی رکھا اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو بھی اس کی تلقین کرتے ظاہر کیا گیا ہے، لیکن پورے رسالے میں دس بیبیوں کی کہانی کا سرے سے وجود ہی نہیں۔یقیناً دس عورتوں کا ذکر اور بات ہے اور ان کی کہانی ایک الگ چیز ہے، فقط کسی کے تذکرے کو کہانی نہیں کہہ دیا جاتا۔لیکن ہماری مسلمان بہنیں اپنی نادانی کی دنیا سے باہر نکلیں، تو انہیں ان امور پر توجہ کا موقع ملے۔

(iv) تیسری زن فرعون آسیہ۔یہ بنی اسرائیل کے خاندان کی لڑکی تھیں۔ ان کے باپ کا نام مراہم تھا۔

**تبصرہ:۔**

غلط، ان کے والد کا نام ''مزاحم'' تھا۔جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرھا معتمد کتبِ تفسیر میں درج ہے۔

(v) بچپن سے ان کو خدا پرستی کی تعلیم ملی تھی۔ ایسی مقدس بی بی کی شادی فرعون جیسے بدذات سے ہوگئی تھی۔ شائد اللہ کو منظور تھا کہ حضرت موسیٰ وہارون کی پرورش ان کی گود میں ہو، کافروں کی گود میں نہ ہو۔

**تبصرہ:۔**

اس میں دو باتیں غلط ہیں۔

(۱) انہیں بچپن سے خدا پرستی کی تعلیم نہ ملی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوتا، تو یہ شروع سے ہی ایمان والی ہوتیں۔ حالانکہ آپ اس وقت ایمان لائیں، جس وقت آپ نے سنا کہ حضرتِ موسیٰ (علیہ السلام) نے جادوگروں سے مقابلہ فرماتے ہوئے، اپنا عصا مبارکہ زمین پر ڈالا اور انہیں شکست فاش دی۔ تفسیر کبیر میں ہے، ''**آمنت حین سمعت قصة القاء موسی عصاہ وتلفت العصا** ۔ یعنی آپ اس وقت ایمان لائیں کہ جب آپ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے عصا ڈالنے اور آپ کے عصا کے (جادوگروں کے سانپوں) کو نگلنے کا قصہ سنا۔'' (جلد ۱۰۔ صفحہ ۴۷۵)

(۲) آپ نے فقط موسیٰ (علیہ السلام) کی پرورش کی تھی، ہارون (علیہ السلام) کی نہیں۔

(vi) آگے بی بی ہاجرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ بچے کو اللہ پر چھوڑ کر پانی کی تلاش میں سات مرتبہ پہاڑی پر چڑھیں اور اتریں اور بچہ روتا رہا۔ جب بچے کا خیال آتا اتر آتیں، جب پیاس کا خیال آتا، پہاڑی پر چڑھ جاتی تھیں۔

**تبصرہ:۔**

مؤلف نے ظاہر کیا کہ آپ ایک ہی پہاڑی پر سات بار چڑھیں اور اتریں ، حالانکہ حقیقۃً ایسا نہیں ، بلکہ آپ پہلے آپ صفا پہاڑ پر چڑھیں ، جب وہاں پانی نہ پایا ، تو مروہ پہاڑ پر تشریف لے گئیں ۔ یہی عمل سات مرتبہ دہرایا ۔

تفسیر خزائن العرفان میں آیتِ کریمہ ''اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۔ یعنی بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں ۔'' کے تحت ہے ،

''صفا اور مروہ مکہ مکرمہ کے دو پہاڑ ہیں ، جو کعبہ معظّمہ کے مقابل جانب شرق واقع ہیں ۔ مروہ شمال کی طرف مائل اور صفا جنوب کی طرف جبل ابی قیس کے دامن میں ہے ۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پہاڑوں کے قریب اس مقام پر جہاں چاہ زمزم ہے بحکم الٰہی سکونت اختیار فرمائی ۔ اس وقت یہ مقام سنگلاخ بیابان تھا ، نہ یہاں سبزہ تھا ، نہ پانی ، نہ خورد ونوش کا کوئی سامان ، رضائے الٰہی کے لئے ان مقبول بندوں نے صبر کیا ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بہت خرد سال تھے ۔ تشنگی سے جب ان کی جاں بلبی کی حالت ہوئی ، تو حضرت ہاجرہ بے تاب ہو کر کوہِ صفا پر تشریف لے گئیں ۔ وہاں بھی پانی نہ پایا ۔ تو اتر کر نشیب کے میدان میں دوڑتی ہوئی مروہ تک پہنچیں ، اس طرح سات مرتبہ گردش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کا جلوہ اس طرح ظاہر فرمایا کہ غیب سے ایک چشمہ زمزم نمودار کیا اور ان کے صبر اخلاص کی برکت سے ان کے اتباع میں ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے والوں کو مقبول بارگاہ کیا اور ان دونوں کو محلِ اجابت بنایا ۔ (صفحہ نمبر ۳۰)

(vii) اسیر کربلا اپنے پیاروں کی سوگوار حضرت سکینہ نے کس قدر مظالم

سہے، مگر یتیمی کا صدمہ نہ اٹھا سکی، اپنے باپ کے لئے رہائی کی تمنائیں لئے تڑپ تڑپ کر قید خانے میں رحلت پائی۔

**تبصرہ:۔**

اس بے عقل کی نشے میں لکھی گئی تحریر دیکھئے کہ ایک طرف بی بی سکینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو یتیم قرار دے رہا ہے، تو دوسری طرف ان کی جانب اپنے باپ کی رہائی کی تمنا منسوب کر دی، جس سے والد کی زندگی ثابت ہو رہی ہے۔

بی بی سکینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، امام عالی مقام حضرت حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی صاحبزادی ہیں۔ کربلا میں والد کے ہمراہ تھیں اور آپ کے سامنے ہی والد شہید کئے گئے تھے۔ اس کے باوجود مؤلف کا ان کی جانب والد کی رہائی کی تمنا منسوب کرنا، ایک بھونڈا مذاق ہے یا نہیں؟....

آخر میں صاف جھوٹ لکھ دیا کہ آپ کی رحلت قید خانے میں ہوئی تھی۔ حالانکہ آپ واقعہ کربلا کے بعد عرصہ دراز تک حیات رہیں تھیں اور آپ کا نکاح حضرت مصعب بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوا تھا۔ جیسا کہ کتبِ تاریخ میں درج ہے۔

(viii) میرا نام فاطمہ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہے اور میری بیٹیاں یہ ہیں۔ حضرت زینب، جناب ام کلثوم، جناب فاطمہ صغریٰ، فاطمہ کبریٰ، جناب سکینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)۔

**تبصرہ:۔**

یہاں بھی جھوٹ لکھا گیا۔ کیونکہ ذکر کردہ عورتوں میں سے فقط بی بی زینب وکلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہی آپ کی صاحبزادیاں ہیں۔

فاطمہ صغریٰ اور سکینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)، آپ کی نہیں، بلکہ امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولادِ پاک ہیں۔

نیز فاطمہ کبریٰ تو آپ خود ہیں، معلوم ہوا کہ مسٹر مؤلف نے جنابِ بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اپنی ہی بیٹی بنا دیا۔

آپ کے بطن سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سے تین لڑکے (امام حسن وحسین ومحسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)) اور تین لڑکیاں (زینب وام کلثوم ورقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن) تھیں۔

جیسا کہ مدارج النبوت وغیرھا کتب میں مذکور ہے۔

(xi) آگے مذکور ہے کہ بھاوج نے نیاز کا لڈو کھانے سے انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک طویل عذاب میں مبتلاء کر دیا۔ چنانچہ اس کے بچے مر گئے، غلہ اور سب سامان غائب ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ جس بھی کھانے کو ہاتھ لگاتی تھی، سڑ جاتا تھا۔

**تبصرہ:۔**

یہ سب بکواس وجھوٹ ہے۔ نیاز زیادہ سے زیادہ ایک مستحب عمل ہے۔ اس کا انکار برکت سے محرومی کا سبب تو قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن وجہِ عذاب نہیں۔

(xii) درمیان میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جس کے شروع میں لکھا، ''وہ کہانی یہ ہے؟''...

**تبصرہ:۔**

اگر اس سے مراد دس بیبیوں کی کہانی ہے، تو مخفی نہیں کہ اس میں دس بیبیوں کا کوئی قصہ نہیں۔ اور اگر اس کے علاوہ مراد ہے، تو دس بیبیوں کی کہانی کہاں گئی؟...

(xiii) اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) نے سید الانبیاء (ﷺ) کی دعوت کی۔ گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا، چنانچہ تھوڑے سے جو، قرض مانگ کر لائے اور اس کی چھ روٹیاں تیار کی گئی۔ ایک رسول اللہ (ﷺ) کے لئے، دوسری حضرت علی، تیسری بی بی فاطمہ، چوتھی اور پانچویں حسنین کریمین (رضی اللہ تعالی عنھم) اور چھٹی ان حضرات کی خادمہ فضہ کے حصے میں آئی۔

تبصرہ:۔

کافی تلاش وجستجو کے باوجود فضہ نام کی کسی خادمہ کا تذکرہ نہ مل سکا۔ نہ صحابیات کے ذکر میں ہی اس نام کی کوئی خاتون نظر آئیں۔ ہاں فضہ نام کے ایک مرد راوی کا تذکرہ ضرور نظر آیا۔

چنانچہ حضرت احمد بن علی بن حجر عسقلانی (رضی اللہ تعالی عنہ) لکھتے ہیں، "فضة بکسر اولہ وتشدیدالمعجمة ابو مودود البصری نزیل خراسان مشھور بکنیة فیه لین من الثامنة۔" (تقریب التھذیب۔ جلد 2۔ صفحة 14)

محسوس ہوتا ہے کہ واقعہ گھڑنے والے نے اس نام کی خادمہ کو بھی اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔

(xiv) اگلے دن سیدہ فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنھا) نے اور ان کے بعد نو اسوں نے دعوت کی۔ ہر مرتبہ حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) قرض لا کر روٹیاں بنواتے رہے۔ آخر میں فضہ نے دعوت پیش کی۔ سرکار (ﷺ) نے اسے بھی قبول فرمالیا۔ فضہ

 

ناداری کی وجہ سے انتظام نہ کرسکی اور نہ ہی گھر والوں کو کچھ بتایا۔ جب سرکار (ﷺ) تشریف لے آئے، تو بقیہ گھر والوں کو خبر ہوئی۔ حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) نے فضہ سے فرمایا، ''اگر تو پہلے بتادیتی، تو میں انتظام کر دیتا۔'' فضہ نے کہا، ''آپ فکر نہ کریں، اللہ عزوجل مسبب الاسباب ہے۔''

تبصرہ:۔

غور کرنے پر محسوس ہوگا کہ یہاں حضرت علی (رضی اللہ تعالی عنہ) کو اللہ تعالیٰ کے بجائے دنیوی اسباب اور لونڈی کو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرنے والا ثابت کیا گیا ہے۔

(XV) فضہ ایک گوشے میں جا کر سجدہ معبود میں گر گئی اور دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے کھانا بھیج دیا، جسے سارے گھر والوں نے نوش فرمایا۔''

تبصرہ:۔

بالکل جھوٹ۔ کیونکہ اگر یہ کھانا واقعی جنت سے آیا ہوتا، تو کبھی بھی ختم نہ ہوتا، کیونکہ جنت کی نعمتوں میں فناء نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدالانبیاء (ﷺ) جنتی خوشے کو دنیا میں نہ لائے تھے۔ جیسا کہ

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالی عنھما) سے مروی ہے کہ ''زمانۂ رسول (ﷺ) میں ایک مرتبہ سورج کو گہن لگا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد صحابہ کرام (رضی اللہ تعالی عنھم) نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی جگہ سے کسی شے کو پکڑ رہے ہیں، پھر ہم نے

آپ کو پیچھے ہٹتے دیکھا؟''.... آپ نے ارشاد فرمایا، ''بے شک مجھے جنت دکھائی گئی، تو میں نے اس میں سے (کسی پھل کا) ایک خوشہ لینے کا ارادہ کیا، اگر میں اسے لے آتا، تو تم اسے دنیا باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔'' (جلد ا۔کتاب الاذان)

علامہ بدرالدین عینی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں،

''معناہ لو اردت الاخذ لاخذت ولو اخذت لاکلتم منہ مابقیت الدنیا ای مدۃ بقاء الدنیا الی انتھا ئھا وقال التیمی قیل لم یاخذ العنقود لانہ کان من طعام الجنۃ وھو لا یفنی ولا یجوز ان یؤکل فی الدنیا الاما یفنی لان اللہ تعالیٰ خلقھا للفناء فلا یکون فیھا شیء من امور البقاء۔ یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اس خوشے کو پکڑنے کا ارادہ کرتا، تو ضرور پکڑ لیتا اور اگر میں اسے پکڑ لیتا، تو تم اسے دنیا کے باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔ تیمی نے فرمایا، ''کہا گیا ہے کہ آپ نے گچھا نہ پکڑا، کیونکہ وہ جنت کے کھانوں میں سے تھا اور جنت کے کھانوں کو فناء نہیں اور دنیا میں فقط ان ہی چیزوں کا کھانا ممکن ہے کہ جو فناء ہونے والی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے فناء ہونے کے لئے ہی بنایا ہے، چنانچہ اس میں کوئی باقی رہنے والی شے نہیں ہو سکتی۔''

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔المجلد الرابع۔صفحۃ 428)

نیز کھانے کے لئے ''نوش'' کے لفظ کا استعمال یقیناً کسی جاہل سے ہی متوقع ہے۔ کیونکہ نوش، پینے والی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کھانے والی اشیاء کے لئے ''تناول'' استعمال کیا جاتا ہے۔

(xvi) سرکار (ﷺ) نے پوچھا، ''یہ کہاں سے آیا؟'' گو آپ جانتے

تھے اور معلوم تھا، حضرت جبرائیل رستے میں بتا گئے تھے۔آپ کو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ہمارے گھر کی لونڈیاں بھی اللہ کو ایسی پیاری اور محبوب ہیں کہ ان کے سوال بھی اللہ رد نہیں فرماتا۔

تبصرہ:۔

چونکہ یہ واقعہ اپنے پاس سے گھڑا گیا ہے،لھذا اس میں جتنی باتیں اللہ عزوجل ،اس کے حبیب (ﷺ)اور جبرئیل (علیہ السلام) کی جانب منسوب کی جارہی ہیں،سب کی سب جھوٹ ہیں۔اور اللہ عزوجل اور اس کے حبیب (ﷺ) کی جانب جھوٹ منسوب کرنا بدبختی اور جہنم کا راستہ ہے۔جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،''فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ مِنۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے،تو وہی ظالم ہیں۔'' (پ۴۔آل عمران۔۹۴)

اور مخبرِ اعظم (ﷺ) کا فرمان ہے،''جو مجھ پر جھوٹ باندھے،وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔'' (صحیح البخاری۔المجلد الاول۔کتاب العلم)

اب ہماری مسلمان بہنیں خود غور فرمالیں کہ کہ ایک جھوٹے کے کلام کو پڑھنے سے برکت بڑھے گی..یا..کم ہوگی؟......

(xvii) ائمہ طائرین کی محبت سے سب کچھ مل سکتا ہے۔

تبصرہ:۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ، طائرین ،طائر کی جمع ہے اور اس کا معنی پرندہ ہے۔

اب مذکورہ جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسے ائمہ جو پرندے ہیں، ان کی محبت سے سب کچھ مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پڑھنے والیوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

## میری محترم مسلمان بہنو!

اس قسم کی خلافِ شرع باتوں کو باعثِ برکت سمجھنا سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔ لھذا ایسی کتابیں پڑھنے کے بجائے اچھی اور مستند کتابیں پڑھئے۔ قرآنِ کریم، اللہ عزوجل کی سب سے پیاری، مستندترین اور مقدس کتاب ہے۔ جس کو پڑھنے کی برکت سے گھر میں برکات کے نزول کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اگر مسلمان بہنوں کو جمع کرکے نیاز کا اہتمام کرنا ہی چاہیں، تو سب کو جمع کرکے ایک رکوع تلاوت کریں۔ پھر اس کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرلیں۔ حسب سابق نیاز وغیرھا کا اہتمام کرنا چاہیں، تو حرج نہیں، بشرطیکہ اپنے پاس سے الٹی سیدھی شرطیں نہ قائم کی جائیں۔ پھر دیکھئے کہ کیسی کیسی برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ترجمہ قرآن کے لئے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' کا انتخاب فرمایئے۔ اسی کے ساتھ تفسیر خزائن العرفان بھی مل جاتی ہے۔ آپ ترجمے والا قرآن پاک خریدیں، تو دکاندار کو کہہ دیجئے گا کہ ہمیں تفسیر خزائن العرفان والا قرآن چاہیئے۔ یہ ترجمہ قرآن المکتبۃ المدینہ کے اسٹال سے باآسانی مل سکتا ہے۔

آخر میں دو گزارشیں حاضر خدمت ہیں، امید ہے کہ توجہ سے پڑھ کر ذہن میں محفوظ رکھا جائے گا۔

﴿1﴾ ان بے سروپا کہانیوں کو پڑھنے، سننے سے آپ خود بھی بچئے اور

دوسروں کو بھی بچنے کی ترغیب دیجئے۔ان شاء اللہ (عزوجل) اس سے اہل بیت اطہار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی ارواح طیبات سکون پائیں گی۔

﴿2﴾ ہوسکتا ہے کہ کبھی آپ نے یہ کہانیاں پڑھی ہوں، تو کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوگیا ہو۔ایسی صورت میں قبول حق ذرا مشکل ہوجاتا ہے۔لیکن یاد رکھئے کہ اگر خلافِ شرع بات سے اگر کسی نعمت کا حصول نظر آئے، تو یہ اللہ (عزوجل) کے کرم نہیں، بلکہ غضب کی علامت ہے۔نیز اس پہلو پر بھی ضرور غور کریں کہ کفار بھی اپنی غلط رسومات وعقائد کے بدلے میں فائدے حاصل کرتے ہیں، لیکن کوئی بھی ان فائدوں کے حصول کو دلیل بنا کر ان کے عقائد کو درست قرار نہیں دے سکتا۔پس اس طرح یہاں بھی سمجھنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ وشعور کی دولت سے مالا مال فرمائے۔آمین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

✿✿✿✿✿=====✿✿✿✿✿

شیطان سے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے سلسلے میں
معاون ایک منفرد تحریر

# شیطان کے بیس دشمن

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ لاہور

# پہلے اسے پڑھئے

الحمد للہ عزوجل! ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے سلسلے میں اصلاحی کتب کی فراہمی میں مکتبۂ اعلیٰ حضرت ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس ادارے کے تحت چھپنے والی اصلاحی کتب کی برکت سے کثیر اسلامی بھائیوں کو اپنے محاسبے اور اس کے بعد نیک بننے کے لئے عملی کوشش کرنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔

''شیطان کے بیس دشمن'' بھی اصلاحی انداز پر مشتمل ایک جداگانہ تحریر ہے۔ جس میں انسان کے ازلی دشمن کے بیس دشمنوں کی تفصیل، دشمنی کی وجوہات اور سب سے آخر میں اپنی ذاتی محاسبے کی سوچ دی گئی ہے۔ امید ہے اپنے دل چسپ طرزِ تحریر کی بنا پر یہ رسالہ بھی کتبِ سابق کی طرح، ذوق وشوق کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

آپ سے درخواست ہے کہ دوسرے اسلامی بھائیوں کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دلا کر اپنے نامۂ اعمال میں نیکی کی دعوت عام کرنے کا ثواب درج کروائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کا کامل ترین دشمن بن کر بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

خادمِ مکتبۂ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل عطاری

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ بمطابق 13 اکتوبر 2003ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مسلمہ اصول ہے کہ جو مسلمان، شیطان کی جتنی زیادہ اطاعت کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی دور ہوگا اور اس کے برعکس جو اس کی جس قدر نافرمانی کرے گا، اللہ عزوجل اسے اپنا اتنا ہی زیادہ قرب عطا فرمائے گا۔ اس اصول کے پیش نظر یقیناً ایک سمجھ دار مسلمان یہ فیصلہ کرنے میں ہرگز تردد کا شکار نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اور شیطان سے دوری حاصل کرنے کے لئے مخلصانہ کوششوں میں مصروفِ عمل رہنا ہی سعادت مندی ہے۔

جب کوئی مسلمان، اللہ تعالیٰ کی رضا والے کام استقامت و خوش دلی کے ساتھ اختیار کرتا، نیز دوسروں کے لئے بھی ہدایت و رہنمائی کا سبب بنتا ہے، تو شیطان اسے اپنا بہت بڑا دشمن تصور کرنے لگتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اسے اپنا دوست بنا لیتا ہے۔

ہمیں بھی چاہیئے کہ شیطان سے شدید دشمنی کا ثبوت دیں، تا کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو سکیں۔ اس کے لئے اگر درج ذیل حدیثِ پاک کو مشعل راہ تصور کیا جائے، تو اس سلسلے میں آسانی حاصل ہونے کی توقع ہے۔ چنانچہ

حضرتِ ابنِ عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک دن حبیبِ رب (ﷺ) نے شیطان سے پوچھا کہ ''میری امت میں سے تیرے بڑے دشمن کون کون ہیں؟''....اس نے جواب دیا کہ وہ بیس قسم کے افراد ہیں۔

(1) سب سے پہلے خود آپ ہیں، میں آپ سے سب سے زیادہ بغض رکھتا ہوں۔

(2) باعمل عالم دین۔

(3) قرآن کا باعمل حافظ۔

(4) وہ مؤذن جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پانچوں نمازوں کے لئے اذان دے۔

(5) فقیروں، یتیموں اور مسکینوں سے محبت رکھنے والا۔

(6) رحم دل۔

(7) مخلوق سے عاجزی سے پیش آنے والا۔

(8) وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دے۔

(9) حلال کھانے والا۔

(10) اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والے۔

(11) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حریص۔

(12) وہ شخص کہ جو اس وقت نماز پڑھے، جس وقت دیگر لوگ سو رہے ہوں۔

(13) جو اپنے آپ کو ارتکابِ حرام سے روکے رکھتا ہے۔

(14) مسلمانوں کا خیر خواہ۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ) جو اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا کرتا رہے..اور..اس کے دل میں ان سے متعلق کوئی بغض وکینہ وغیرہ نہ ہو۔

(15) ہمیشہ باوضو رہنے والا۔

(16) سخی۔

(17) حسن اخلاق کا مالک۔

(18) جو اللہ کے وعدوں (مثلاً عطائے رزق اور دخولِ جنت وغیرہ) کی تصدیق کرتا ہے۔

(19) بیواؤں کی مدد کرنے والا...اور...

(20) موت کی تیاری میں مشغول رہنے والا۔''

(اَلْمُنَبِّهَاتُ عَلَى الْاِسْتِعْدَادِ لِيَوْمِ الْمَعَاد)

مذکورہ روایت سے دشمنان شیطان کی معرفت حاصل کرنے کے بعد دو امور پر توجہ بہت ضروری ہے۔

﴾i﴿ شیطان اوران میں باہم دشمنی کے اسباب کی معرفت۔

﴾ii﴿ اس سلسلے میں اپنے بارے میں غوروتفکر۔

آیئے بالترتیب ان دونوں امور پر توجہ کی سعادت حاصل کریں۔چنانچہ

☆سیدالانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کے بغض کی سب سے بڑی وجہ آپ کی بعثتِ مبارکہ کے باعث ، شیطانی کاموں میں رکاوٹِ شدید کا پیدا ہو جانا ہے۔کیونکہ جونہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثتِ مبارکہ ہوئی،امت کی ہدایت وفلاح کے سامان مقرر ہونے لگے۔چنانچہ

(i) مروی ہے کہ حضرتِ عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت سواد بن قارب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا کہ''تمہیں اسلام کی ترغیب یا تحریک کس طرح ہوئی؟''...انہوں نے جواب دیا کہ

''زمانہ جاہلیت میں میرا ایک جن تھا۔میں ایک رات سورہا تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور کہا،''اٹھو اور سمجھو اور جان لو،اگر تم میں کچھ عقل ہے کہ لوئی بن غالب کی اولاد سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوچکے۔پھر اس نے یہ اشعار پڑھے،

''ترجمہ:۔مجھے جنات اوران کی نجاستوں اور ان کے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسنے پر تعجب ہے۔کہ وہ جنات مکے کی جانب آکر ہدایت کے خواستگار

ہو رہے ہیں اور جنات میں جو صاحبِ ایمان ہیں، وہ ناپاک جنات کی طرح نہیں، لھذا تم بنی ہاشم کے صاحبِ پاک سیرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پہنچو اور ہاشم کے سردار کی جانب ذرا جائزہ گیر نگاہ سے تو دیکھو۔''

پھر کہنے لگا، ''اے سواد بن قارب! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمادیا ہے، تو تم اس کے پاس پہنچو اور رشد وہدایت حاصل کرو۔''

دوسری رات وہ جن دوبارہ آیا اور مجھے جگا کر چند اشعار سنائے اور پھر اسی طرح تیسری رات بھی آکر کچھ اشعار کہے، تو میرے دل میں اسلام کی محبت اور عظمت جانشین ہوگئی، چنانچہ میں روانہ ہوا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا، ''اے سواد بن قارب! مرحبا، ہم جانتے ہیں کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔'' (الخصائص الکبریٰ بحوالہ بیھقی)

(ii) یونہی مروی ہے کہ مازن طائی نامی ایک شخص سرزمین عمان میں رہائش پذیر تھا اور گھرانے کے بتوں کی خدمت گزاری اس کے ذمے تھی۔ ایک روز اس نے ایک بت پر بھینٹ چڑھائی، تو اس بت میں سے آواز آئی،

''اے مازن! ایک خبر صادق سن، وہ یہ کہ ایک نبی کی بعثت اور اس پر نزول کلام ہوا ہے، تو اس پر ایمان لاکر اس عذاب نار سے بچ سکتا ہے کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

مازن نے اس آواز پر مکمل توجہ نہ کی۔ پھر اس نے کچھ دنوں کے بعد ایک اور جانور ذبح کیا، تو آواز آئی،

''اے مازن! خیر ظاہر اور بدی ناپید ہوگئی۔ ایک نبی، دین الٰہی کی اشاعت کے لئے مبعوث ہو چکا ہے، تو بت پرستی چھوڑ دے، تا کہ عذابِ جہنم سے بچ سکے۔''

مازن نے دل میں سوچا، ''یہ تو حیرت ناک طریقے پر ہدایت کی گئی ہے، جو میری بھلائی کی خاطر ہے۔'' وہ کہتا ہے کہ ''اسی اثناء میں حجاز سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا، ''اپنے علاقے کی کوئی خاص خبر سناؤ۔'' اس نے بتایا کہ '' مکے میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے، جو خود کو دینِ الٰہی کا داعی بتاتا ہے اور اس کا نام احمد ہے۔'' ... یہ سن کر میں نے سوچا، ''واللہ! یہ تو وہی اطلاع ہے کہ جس کی مجھے خبر دی گئی تھی۔'' اس کے بعد میں جلد از جلد سفر کر کے رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔'' (ایضاً بحوالہ طبرانی)

(iii) اور حضرت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ (ﷺ) کی سب سے پہلی خبر یہ آئی کہ ''مدینے میں ایک جن، ایک عورت کے تابع تھا۔ ایک روز وہ جن پرندے کی شکل میں اس کے گھر کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ عورت نے اسے نیچے آنے کے لئے کہا، تو اس نے جواب دیا، ''اب ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ مکے میں جو نبی مبعوث ہوا ہے، اس نے ہر طرح کی بداخلاقی کو منع اور زناء کو حرام کر دیا ہے۔'' (ایضاً بحوالہ احمد)

اور پھر ہدایت و رشد کا یہ نہ رکنے والا سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا، چنانچہ شیطان کا آپ سے بغض رکھنا، تعجب خیز نہیں۔

☆ **باعمل عالم دین کو دشمن سمجھنا** اس سبب سے ہے کہ رحمتِ کونین (ﷺ) کی حیاتِ ظاہری کے بعد دین اسلام کی خدمت کی بڑی ذمہ داری علماءِ کرام (قدس سرھم) پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کا وجودِ مسعود تعلیماتِ اسلام کی اشاعت و بقاء کا ایک عظیم سبب ہے۔ نیز عالم اپنے علم کی برکت سے وارِ شیطان سے بآسانی بچ اور دوسروں کو بچا سکتا ہے۔ جیسا کہ

(i) ایک مرتبہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد کے دروازے کے پاس سے گزرے تو اس کے قریب شیطان کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا، ''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' شیطان کہنے لگا، ''میں چاہتا ہوں کہ مسجد میں داخل ہو کر اس نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد کر ڈالوں، لیکن اس سوئے ہوئے شخص سے ڈر لگتا۔'' سرکار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا، ''تم نمازی سے کیوں نہیں ڈرتے، حالانکہ وہ عبادت اور اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات میں مشغول ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سوئے ہوئے شخص سے خوفزدہ ہو حالانکہ وہ غفلت کی حالت میں ہے۔''

شیطان نے جواب دیا، ''نمازی جاھل شخص ہے اس لئے اسے بہکانا آسان ہے لیکن سویا ہوا شخص عالم ہے اور مجھے ڈر ہے کہ جب میں نمازی کو وسوسے دلاؤں گا اور اس کی نماز فاسد ہو جائے گی تو وہ اس عالم کو جگائے گا جو اس کی جلدی سے اصلاح کر دے گا۔'' (درۃ الناصحین)

(ii) حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے کسی مرید کے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ اب میں کامل ہو گیا ہوں اور مجھے صحبتِ مرشد کی حاجت نہیں اور اسی خیال کی وجہ سے وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ اسے رات کو خواب میں دکھائی دیتا کہ فرشتے اسے اونٹ پر سوار کر کے جنت کی سیر کرانے لے جاتے ہیں۔ جب یہ بات مشہور ہوئی تو حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے کہا کہ جب آج رات، تم جنت میں پہنچو تو لاحول شریف پڑھنا۔ جب اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تو اس نے دیکھا کہ فرشتے دکھائی دینے والے شیاطین تو فرار ہو گئے اور ان کی جگہ مردوں کی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے توبہ کر لی اور پھر سے آپ کی صحبت میں رہنے لگا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

(iii)مروی ہے کہ روزانہ عصر کے وقت شیطان، سمندر پر اپنا تخت بچھاتا ہے اور اپنے چیلوں سے دن بھر کی کارکردگی طلب کرتا ہے۔ ایک دن شیطان نے اسی طرح تخت بچھایا اور اس کے چیلے، اپنا اپنا کارنامہ سنانے لگے۔ کسی نے کہا میں فلاں کو زناء کروایا۔ کسی نے کہا کہ میں نے چوری کروائی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن شیطان نے ان میں سے کسی کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ پھر جب ایک چیلے نے یہ بتایا کہ میں نے آج ایک طالبِ علم کو علم دین کے حصول سے روک دیا، تو اس نے اسے قریب بلا کر سینے سے لگایا اور کہا، ''ہاں، تو نے کام کیا، ہاں تو نے کام کیا۔'' اس پر دوسرے چیلوں نے حیرانی کا اظہار کیا، تو شیطان نے کہا کہ میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں دکھاؤں کہ اس نے ایک طالبِ علم کو راہِ علم سے روک کر کس قدر بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

چنانچہ وہ ان سب کو پہلے ایک عابد کے پاس لے گیا، جو تہجد کے وقت تیزی کے ساتھ مسجد کی جانب جا رہا تھا اور اسے ایک شیشی دکھا کر پوچھا کہ ''کیا اللہ تعالی پوری کائنات کو اس شیشی کے اندر بند کر سکتا ہے؟''...عابد نے اپنی جہالت کے باعث انکار میں جواب دیا۔ پھر شیطان اسی شیشی کو ایک عالم صاحب کے پاس لے گیا جو نماز پڑھنے کے لئے مسجد کی جانب جا رہے تھے۔ شیطان نے ان سے بھی یہ ہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''تُو تو مجھے شیطان لگتا ہے، یہ شیشی تو بہت بڑی چیز ہے، اللہ تعالی تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ سوئی کے سوراخ میں پوری کائنات کو جمع فرما دے۔'' یہ سن کر شیطان اپنے چیلوں سے کہنے لگا کہ تم نے دیکھا کہ عابد اپنی بے علمی کے سبب اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا، جب کہ عالم اپنے علم کی بدولت، ایمان کی حفاظت کرنے میں کامیاب رہا۔ (نظام شریعت)

(iv)سرکارِ بغداد حضور غوث پاک (رضی اللہ تعالی عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک

بار میں کسی جنگل کی طرف نکل گیا اور کئی روز تک وہاں پڑا رہا۔ کھانے پینے کو کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ مجھ پر پیاس کا سخت غلبہ ہوا، اسی دوران میرے سر پر ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا، اس میں سے کچھ بارش کے قطرے گرے، جنہیں میں نے پی لیا۔ اس کے بعد بادل میں ایک نورانی صورت ظاہر ہوئی، جس سے آسمان کے کنارے روشن ہو گئے اور ایک آواز گونجنے لگی، ''اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں میں نے تمام حرام چیزوں کو تیرے لئے حلال کر دیا۔'' میں نے فوراً **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھا۔ فوراً روشنی ختم ہو گئی اور اس نے دھوئیں کا روپ دھار لیا۔ اور آواز آئی، ''اے عبدالقادر! اس سے قبل میں ستر اولیاء اللہ کو گمراہ کر چکا ہوں مگر تجھے تیرے علم نے بچا لیا۔'' آپ فرماتے ہیں، میں نے کہا، ''اے مردود! مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ میرے رب کے فضل نے بچا لیا۔'' (بہجۃ الاسرار)

☆ **قرآن کے باعمل حافظ کا دشمن ہونا**، اس سبب سے ہے کہ اس کے باعمل ہونے کی بناء پر نہ صرف اس کی نجات کا سامان ہوگا، بلکہ اس کے خاندان کے دوسرے افراد بھی بارگاہِ الٰہی سے پروانہ بخشش حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ جیسا کہ

''حضرت معاذ جُہنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ تاجدارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی دنیا کے سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی، جبکہ سورج کو اتنا قریب فرض کر لیا جائے پھر تم سمجھ سکتے ہو کہ جب ماں باپ کا یہ مرتبہ ہوگا تو اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جس نے قرآن کریم پر عمل کیا؟''

(ابوداؤد)

...نیز.... ''حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس کو یاد کرلیا۔ اس کے حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس اشخاص کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکا تھا۔ (ترمذی)

**☆اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پانچوں وقت کی اذان دینے والا دو وجوہات کی بناء پر دشمن ہے۔**

(i) رضائے الٰہی کی خاطر اذان دینے کی بناء پر مؤذن، ثوابِ کثیر کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ

''حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخص مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، ایک وہ غلام جو اللہ کا حق اور اپنے مولا کو حق ادا کرتا رہے اور ایک وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس سے راضی ہوں اور ایک وہ شخص جو ہر دن رات پانچ نمازوں کی اذان دے۔ (ترمذی)

..اور....'' حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ (ﷺ) نے فرمایا کہ ''مؤذن کی آواز کی انتہا کے مطابق اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ اور ہر خشک وتر چیز اس کے لئے گواہی دے گی۔ (ابوداؤد)

اس کے برعکس اس پر اجرت لینے والا کم از کم ثواب سے محروم رہتا ہے۔

جیسا کہ بہارشریعت (حصہ سوم) میں فتاوٰی رضویہ کے حوالے سے ہے کہ

''متقدمین نے اذان پر اجرت لینے کو حرام بتایا، مگر متاخرینِ نے لوگوں میں سستی دیکھی تو اجازت دی اور اب اسی پر فتوی ہے۔ مگر اذان کہنے پر احادیث میں جو ثواب ارشاد ہوئے، وہ انہی کے لئے ہیں جو اجرت نہیں لیتے۔''

نیز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بغیر اجرت مؤذن رکھنے کی تلقین فرمائی ہے ، چنانچہ نسائی شریف میں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، ''مؤذن ایسا مقرر کرو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔'' (نسائی)

(ii) مؤذن کی بناء پر کثیر لوگ نماز کی اطلاع پا کر مساجد میں حاضری کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔

☆فقیروں، یتیموں اور مسکینوں سے محبت رکھنے والا اس لئے دشمن ہے کہ فقر و مسکینی بسا اوقات، کفر میں مبتلاء ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ، ''کسی مسکین نے اپنی محتاجی دیکھ کر یہ کہا، ''اے خدا! فلاں بھی تیرا بندہ ہے، اس کو تو، تو نے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں اور میں بھی تیرا بندہ ہوں تُو مجھے کس قدر رنج و تکالیف دیتا ہے۔ آخر یہ کیا انصاف ہے؟......ایسا کہنا کفر ہے۔''

لیکن جو شخص ان سے محبت رکھے گا، یقیناً ان کی امداد پر قادر ہونے کی صورت میں ضرور امداد کرے گا.. یا.. کم از کم دوسروں کو اس کی ترغیب دے گا، اور اس طرح ان کے مبتلائے کفر ہونے کی راہ میں زبردست رکاوٹ کا باعث بن جائے گا۔ نیز اس کی یہ شفقت، ان حضرات کو بارگاہِ الٰہی میں شکوہ شکایت سے بھی محروم رکھے گی۔

☆رحم دل اس لئے دشمن ہے کہ اس کی رحم دلی اس کے لئے باعثِ بلندی درجات، دوسروں کے لئے وجہِ ترغیب اور قابل رحم حضرات کے لئے گناہ و کفر اور شکوہ شکایت کے کلمات سے محفوظ رہنے کا سبب ہے۔ اس کے لئے درج ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں۔

(1) حضرت عیاض بن احمار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ

(ﷺ) نے فرمایا کہ تین لوگ جنتی ہیں۔(i) وہ حاکم جسے عدل اور صدقہ کرنے کی توفیق ملے،(ii) اور وہ شخص جو ہر قرابت والے پر رحم دلی اور نرمی کے ساتھ پیش آئے، (iii) اور وہ مسلمان جو پاک دامن، سوال کرنے سے بچنے والا اور عیال دار ہو۔ (مسلم)

(2) حضرت عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ تعالی عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن (عزوجل) رحم کرتا ہے، تم ان پر رحم کرو، جو زمین پر ہیں، تو تم پر وہ رحم کرے گا جو (اپنی شان کے لائق) آسمان میں (بھی) ہے۔

(ابوداؤد)

(3) مروی ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں شدید قحط پڑا۔ ایک عابد ریت کے ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا۔ اسے دیکھ کر دل میں سوچا، کاش! یہ ٹیلہ آٹے کا ہوتا ،تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔'' اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی کہ ''اس عابد سے جا کر کہہ دو کہ تیری اچھی نیت کی وجہ سے اس ٹیلے کے برابر آٹا خیرات کرنے کا ثواب تیرے نامہ اعمال میں لکھ دیا گیا۔'' (احیاء العلوم۔فضیلتِ نیت کا بیان)

## ☆مخلوق سے عاجزی سے پیش آنے والا اس لئے دشمن ہے کہ

عاجزی نہ صرف انسان کو بارگاہ الٰہی میں مقبول بنوا دینے کا سبب ہے، جیسا کہ

''حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالی عنہ) سے مروی ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلندیاں عطا فرماتا ہے۔ (مسلم)

بلکہ اس کی بناء پر انسان ہر اس آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے، جس میں عاجزی کی ضد یعنی تکبر کو اختیار کرنے والا مبتلاء ہوتا ہے۔ جیسا کہ

''حضرت سلمہ بن اکوع (رضی اللہ تعالی عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اکرم

(ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ آدمی تکبر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے سرکش لوگوں میں لکھ دیا جاتا ہے، پس اسے بھی وہی عذاب ہوگا، جوان لوگوں کو ہوگا۔ (ترمذی)

☆ **اپنی جوانی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارنے والا اس لئے** دشمن ہے کہ یہ عمل اس کے بروزِ قیامت نجات کا سبب بن جائے گا۔ جیسا کہ

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ رحمت عالم (ﷺ) کا فرمان ہے کہ "سات قسم کے آدمی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دن انہیں اپنے سائے میں رکھے گا جس دن (اس کی رحمت کے سواء) کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

**(1)** عادل حکمران۔ **(2) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھنے والا نوجوان۔ (3)** وہ شخص جس کا دل مسجد سے وابستہ رہے۔ **(4) اللہ تعالیٰ کی** خاطر محبت رکھنے والے دو آدمی کہ جو اس کی محبت میں جمع اور جدا ہوتے ہوں۔ **(5)** وہ شخص جو کسی حسین وصاحب منصب عورت کے بلانے پر یہ کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ **(6)** وہ شخص جس نے اس طرح پوشیدہ صدقہ کیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہوسکا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا؟ **(7)** وہ آدمی جو خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔" (بخاری)

نیز اس کی بناء پر دوسرے نوجوان بھی آخرت کی تیاری کی جانب مائل ہوں گے، کیونکہ ہم جنس کو دیکھ کر عمل کی ترغیب زیادہ ملتی ہے۔

☆ **حلال کھانے والا اس لئے دشمن** ہے کہ حلال کی برکات دنیا وآخرت دونوں میں انسان کو سرخرو کروادیتی ہیں۔ جیسا کہ

رسول اکرم (ﷺ) کا فرمانِ ذیشان ہے کہ جو شخص لگاتار حلال روزی کماتا ہے اور حرام کے لقمہ کی آمیزش نہیں ہونے دیتا، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اپنے نور سے

روشن کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری ہوتے ہیں۔

(کیمیائے سعادت)

☆ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والے اس لئے دشمن ہیں کہ یہ محبت، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقام محبوبیت دلوا دیتی ہے۔ جیسا کہ

(i) حضرت سیدنا ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اپنے بھائی سے ملنے کے لئے دوسری بستی میں جانے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔ فرشتے نے اس شخص سے پوچھا، ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' اس نے جواب دیا، ''اس بستی میں اپنے بھائی سے ملنے کے لئے جا رہا ہوں۔'' فرشتے نے پوچھا ''کیا تمہارا اس پر کوئی احسان ہے جس کا بدلہ لینے جا رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا، ''نہیں! بلکہ میں تو اس سے خدا کے لئے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتے نے کہا، ''مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے اس طرح محبت کرتا ہے، جیسی تم اس شخص سے کرتے ہو۔'' (مسلم)

نیز دخول جنت کا سبب ہے۔ جیسا کہ

(ii) حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ میں سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا، ''جنت میں یاقوت کے ستون ہیں، جن کے اوپر زبرجد کے بالا خانے ہیں، جن کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور وہ روشن ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔'' صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان میں کون لوگ رہیں گے؟'' فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کے لئے مل بیٹھنے والے اور ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے۔ (مشکوۃ بحوالہ شعب الایمان)

نیز اس محبت میں مبتلاء خوش قسمت حضرات ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دور اور شیطان کے چنگل سے چھڑانے میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔

جیسا کہ

مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے۔ یہ دونوں ایک پہاڑ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے ایک شہر میں کچھ خریدنے آیا، تو اس کی نگاہ ایک فاحشہ عورت پر پڑ گئی اور وہ اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا اور اس کی مجلس اختیار کر لی۔ جب کچھ روز گزر گئے اور وہ واپس نہ آیا، تو دوسرا دوست اسے تلاش کرتا ہوا شہر مین پہنچا۔ معلومات کرنے پر اس کے بارے میں سب کچھ جان گیا۔

یہ اس سے ملنے جا پہنچا، تو عاشق دوست نے شرمندہ ہو کر کہا، ''میں تو تجھے جانتا ہی نہیں۔'' اس نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہا، ''پیارے بھائی دل کو اس کام میں مشغول نہ کر، میرے دل میں جس قدر شفقت آج پیدا ہوئی ہے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔'' یہ کہہ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ گناہ گار دوست نے جب اس کی طرف سے محبت کا یہ مظاہرہ دیکھا تو جان لیا کہ، ''میں اس کی نگاہوں میں ایسا گرا نہیں ہوں۔'' پس وہ فوراً طوائف کی محفل سے اٹھا، اور توبہ کر کے اس کے ساتھ واپس آ گیا۔ (کیمیائے سعادت)

☆ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حریص اس لئے دشمن ہے کہ یہ عمل انسان کے لئے بے شمار برکات و فضائل کا سبب ہے۔ جیسا کہ

سرکارِ مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دنیا کی مسجدوں کو سفید اونٹ کی مثل اٹھائے گا۔ جن کے پاؤں عنبر کے ہوں گے اور ان کی گردنیں

زعفران کی اور سر مشک کے جبکہ کان سبز زمرد کے ہونگے ۔ مؤذنین ان کو کھینچیں گے اور امام صاحبان ہانکیں گے ۔ میدان قیامت میں چمکنے والے بجلی کی طرح چلیں گے ۔ اہلِ قیامت کہیں گے، کیا یہ لوگ ملائکہ مقربین ہیں یا انبیاء مرسلین؟ تو نداء آئے گی، ''یہ امتِ سرکار (ﷺ) کے لوگ ہیں جو نماز کو با جماعت پڑھا کرتے تھے ۔ (درۃ الناصحین)

نیز جو خود جماعت کا عادی ہوتا ہے، دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہے اور پھر اس کا پابندی سے جماعت میں حاضر ہونا دوسروں کے عملی نصیحت کا سبب ہے ۔

☆ نماز تہجد پڑھنے والا اس لئے دشمن ہے کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ذریعہ بھی ہے اور گناہوں کا کفارہ بھی ۔ جیسا کہ

'' تاجدارِ مدینہ (ﷺ) نے فرمایا، ''تمہارے لئے لازم ہے کہ رات کو عبادت کیا کرو، کیونکہ یہ گزشتہ نیک لوگوں کا طریقہ ہے ۔ بے شک رات کا قیام اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب، گناہوں کا کفارہ اور گناہوں سے روکنے والا ہے ۔ (ترمذی)

اور یہ شیطان کو ہرگز گوارہ نہیں ۔ نیز اس لئے بھی کہ اس کی برکت سے انسان بے شمار فضائل و برکات کا مستحق بھی بن جاتا ہے ۔ جیسا کہ

'' تاجدارِ مدینہ (ﷺ) کا ارشاد مبارک ہے کہ آدھی رات میں بندے کا دو رکعت نماز پڑھنا، دنیا اور اس کی تمام اشیاء سے بہتر ہے ۔ اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں یہ دو رکعتیں ان پر فرض کر دیتا ۔'' (مکاشفۃ القلوب)

☆ اپنے آپ کو ارتکابِ حرام سے روکے رکھنے والا اس لئے کہ حرام چیزوں سے بچنے کی برکت سے اسے جنتی محل عطا کیا جائے گا ۔ جیسا کہ

حضرت کعب احبار (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز موتی (زبرجد) کا محل پیدا فرمایا، اس میں ستر ہزار گھر ہیں، ہر گھر میں ستر ہزار کمرے ہیں ۔

اس میں وہی داخل ہوگا جس کے سامنے حرام پیش کیا جائے اور وہ صرف اللہ کے ڈر سے اسے چھوڑ دے۔'' (مکاشفۃ القلوب)

نیز.....مروی ہے کہ جس نے حرام کاموں سے بچنے پر صبر کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے چھ سو درجات عطا فرمائے گا، ہر درجہ ساتوں آسمان اور زمین کے درمیان کی فاصلے کے برابر ہوگا۔ (ایضاً)

☆**مسلمانوں کا خیر خواہ** اس لئے کہ اسے مسلمانوں کی خیر خواہی کی برکت سے درجِ ذیل فضائل حاصل ہو جاتے ہیں۔

(i) سرکارِ دو عالم (ﷺ) نے فرمایا کہ'' جو میرے کسی امتی کی حاجت پوری کرے کہ اس سے اس کی خوشی چاہتا ہو، تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔'' (شعب الایمان)

(ii) حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(iii) حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا،'' مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے (دشمن کے) سپرد کرے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان سے سختی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے ایک سختی دور فرمائے گا اور جو آدمی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (بخاری ومسلم)

☆ **اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے دعا کرنے والا** اس لئے کہ ایسا شخص دوسرے مسلمانوں کے لئے دعا کر کے اپنے لئے نیکیوں کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ

رحمتِ عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ''جو کوئی سب مسلمان مردوں اور عورتوں کی مغفرت کی دعا کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مسلمان مرد اور عورت کے بدلے ایک نیکی لکھے گا۔ (طبرانی)

☆ **اور اپنے دل میں مسلمانوں سے متعلق کوئی بغض وکینہ نہ رکھنے والا** اس لئے کہ سرور عالم (ﷺ) نے اسے لوگوں میں سے افضل قرار دیا۔ جیسا کہ

حضرت عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) سے عرض کی گئی کہ لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا، ''ہر سلامت دل والا، سچی زبان والا۔'' لوگوں نے عرض کی، ''سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں، یہ سلامت دل والا کون ہے؟'' ارشاد فرمایا، ''وہ ایسا ستھرا ہے جس پر گناہ نہ ہو، نہ بغاوت، نہ کینہ، نہ حسد۔'' (ابن ماجہ)

☆ **ہمیشہ باوضو رہنے والا** اس لئے کہ اس کا بار بار وضو کرنا، اس کے بے شمار گناہ دھلوانے کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ

سرکارِ مدینہ (ﷺ) نے فرمایا کہ مسلمان بندہ جب وضو کرتا ہے، تو کلی کرنے سے منہ کے گناہ گر جاتے ہیں اور جب ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا، تو ناک کے گناہ نکل گئے، اور جب چہرہ دھویا، تو اس کے چہرہ کے گناہ نکلے، یہاں تک کہ پلکوں کے نکلے اور جب ہاتھ دھوئے، تو ہاتھوں کے گناہ نکل گئے، یہاں تک کہ ہاتھ کے ناخنوں سے نکلے اور جب سر کا مسح کیا، تو سر کے گناہ نکلے، یہاں تک کہ کانوں کے

گناہ نکلے اور جب پاؤں دھوئے، تو پاؤں کی خطائیں نکلیں یہاں تک کہ ناخنوں سے نکلیں۔ (نسائی)

..نیز.... یہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) کی سنت بھی ہے، جیسا کہ

حضرت عبداللہ بن بریدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اکرم (ﷺ) نے حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اے بلال! تم کس عمل کے سبب جنت میں مجھ سے آگے آگے جارہے تھے، میں رات کو جنت میں گیا، تو تمہارے پاؤں کی آہٹ اپنے آگے پائی؟'' حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے عرض کی، ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں جب اذان کہتا تو اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ لیتا اور میرا جب کبھی وضو ٹوٹتا، تو وضو کرلیا کرتا تھا۔'' آپ نے یہ سن کرارشاد فرمایا، ''اسی سبب سے۔'' (ابن خزیمہ)

☆سخاوت کرنے والا اس لئے کہ راہ خدا عزوجل میں خرچ کرنے کے برکت سے اسے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا (ان شاءاللہ عزوجل)۔ جیسا کہ

''سرکار مدینہ (ﷺ) نے فرمایا کہ سخاوت جنت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکتی ہیں، جو سخی مرد ہے وہ اس کی ایک شاخ کو پکڑ لیتا ہے اور وہ شاخ اسے جنت میں پہنچادیتی ہے۔ (کیمیائے سعادت)

☆حسن اخلاق کا مالک اس لئے کہ وہ درجِ ذیل فضائل کا مستحق ہو جاتا ہے،

(i) حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، ''مسلمانوں میں سے کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔'' (ابوداؤد)

(ii) سرورِ عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا "بے شک مؤمن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے روزہ دار اور رات کو قیام کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔" (ابوداؤد)

☆ **اللہ کے وعدوں** (مثلاً عطائے رزق اور دخولِ جنت وغیرہ) **کی تصدیق کرنے والا** اس لئے کہ ایسا شخص اس تصدیق کی بدولت انعامات الٰہیہ کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت والے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے اور شیطان کی دسترس سے دور ہوتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

☆ **بیواؤں کی مدد کرنے والا** اس لئے کہ اس کی وجہ سے اسے راتوں کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی سی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ

"حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ بیوہ اور مسکین پر خرچ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کی طرح ہے۔" (راوی فرماتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) یہ فرمایا کہ "(ایسا شخص) رات کو قیام کرنے والے کی طرح ہے جو تھکے نہیں اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔" (بخاری ومسلم)

☆ **موت کی تیاری میں مشغول رہنے والا** اس لئے کہ وہ اس سلسلے میں دیئے جانے والے حکمِ رسول پر عمل کی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ

"حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اکرم (ﷺ) نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا، "دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہو۔" (اور) حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ شام ہو، تو صبح کا انتظار نہ کرو، تندرستی میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کے لئے (نیک اعمال کا) سامان تیار کرو۔ (بخاری)

## آخری گزارش!

آپ نے شیطان کے بیس دشمنوں اور ان کی دشمنی کی وجوہات ملاحظہ فرمائیں ۔اور یہ بھی مسلّم ہے کہ رحمٰن عزوجل کا محبوب بننے کے لئے بہترین راستہ شیطان کا' کامل دشمن بنتا ہے۔لہذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم غور کریں کہ ہماری ذات میں مذکورہ اوصاف موجود ہیں یانہیں؟ اگر موجود ہیں تو کس حد تک؟ نیز ہم ان اوصاف کو مستقل طور پر اپنانے میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں ۔اس سلسلے میں درجِ ذیل امور پر عمل کرنا بے حد مفید ثابت ہوگا۔ان شاءاللہ عزوجل

﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان اوصاف کے حصول کے لئے گڑگڑا کر دعا کریں۔

﴿2﴾ ان اوصاف کو اپنانے کے نتیجے میں ملنے والی برکات اپنے پیش نظر رکھیں۔

﴿3﴾ ان اوصاف سے متصف نہ ہونے کی صورت میں شیطان کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی وجہ سے جو نقصانات اٹھانا پڑیں گے، انہیں بھی ذہن میں حاضر رکھیں۔

﴿4﴾ شیطان سے حفاظت کا ایک ذریعہ کسی ولی کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس کا مرید ہو جانا بھی ہے۔ یہ کام بھی پہلی ہی فرصت میں کر گزریئے۔

نوٹ:۔ یاد رکھئے کہ بیعت کے لئے پیر میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(i) سنی صحیح العقیدہ ہو۔(ii) اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔(iii) فاسق معلن نہ ہو۔(iv) اس کا سلسلہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) تک متصل ہو۔(بہارشریعت حصہ اول)

الحمد للہ! امیرِ اہل سنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری دامت

برکاتھم العالیہ ان تمام شرائط کے جامع ہیں ۔لہذا شیطان کی دشمنی میں کامل ہونے کے لئے ان کے بذریعے سیدنا غوثِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کا مرید بن جانا،یقیناً سعادت مندی ہے۔

﴿5﴾ اچھا ماحول شیطان کے ناپاک ارادوں کی تکمیل کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے،چنانچہ اس وابستگی میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔

''سنتوں کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی'' ہمیں ایسا ہی پاکیزہ ماحول فراہم کرتی ہے۔ یہ عالمگیر تحریک،اس مدنی مقصد کو لے کر میدانِ عمل میں آئی ہے کہ

''مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔ان شاءاللہ عزوجل''

اپنی اصلاح کے لئے بہترین ذریعہ امیرِ اہل سنت حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری (دامت برکاتھم العالیہ) کے عطا کردہ ''72مدنی انعامات'' پرعمل کرنا اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لئے مدنی قافلوں میں سفر کرنا ہے۔

دعوتِ اسلامی کے سنتوں کی تربیت کے لئے بے شمار مدنی قافلے شہر بہ شہر، گاؤں بہ گاؤں، تین دن ، بارہ دن ،تیس دن اور بارہ ماہ کے لئے سفر کرتے رہتے ہیں۔آپ بھی ان مدنی قافلوں میں سفراختیار فرما کر دنیا وآخرت کی ڈھیروں بھلائیاں حاصل کریں۔

اس کے علاوہ کراچی میں دعوتِ اسلامی کا ہفتہ وار سنتوں بھرا اجتماع ہر جمعرات،نماز مغرب کے بعد فیضانِ مدینہ محلّہ سوداگران نزد پرانی سبزی منڈی میں شروع ہوجاتا ہے۔آپ بھی اس اجتماع میں پابندئ وقت کے ساتھ شرکت فرما کر خوب خوب سنتوں کی بہاریں لوٹیں۔ **الحمد للہ رب العالمین**

اپنی ذات میں موجود عیوب و نقائص کی پہچان اور ان کو دور کرنے کے طریقوں پر مشتمل منفرد طرزِ تحریر کی حامل کتاب

# عیوب ونقائص کی پہچان

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت۔ لاہور

# پہلے اسے پڑھئے

اپنی ذات سے عیوب ونقائص دور کرنا ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ کیونکہ ہمیں ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اس عظیم بارگاہ میں عیبوں اور خرابیوں کے ساتھ جانا یقیناً مناسب نہیں جیسا کہ دنیا میں کسی بڑے افسر کے پاس جاتے ہوئے ظاہری صفائی کے بارے میں ہماری یہی سوچ ہوتی ہے۔ لیکن فقط اس بات کا جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے عملی کوششیں کرنا بھی بہت ضروری ہیں اور اس عملی کوشش سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ

عیوب کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟....انہیں کس طرح پہچاننا چاہیئے؟....پھر انہیں خود سے دور کس طرح کیا جائے؟....وغیرہ وغیرہ

علامہ محمد اکمل عطا قادری عطاری مدظلہ العالی نے اسی سلسلے میں آسانی مہیا کرنے کے لئے اس رسالے کو مرتب کیا ہے۔ امید ہے کہ یہ رسالہ اس موضوع پر رہنمائی کے لئے کافی ثابت ہوگا۔

اسے خود بھی پڑھئے اور دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب بھی دیجئے تا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان بھائی استفادے کی سعادت حاصل کرسکیں۔

"دوران مطالعہ فقط اپنی ذات کو پیش نظر رکھا جائے تو فائدے کی قوی امید ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں پڑھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ امین بجاہ النبی الامین (ﷺ)

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل

۱۲ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ بمطابق 27 مارچ 2002ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اس رسالے میں مذکورہ امور کا خلاصہ

{1} عیوب ونقائص کے اعتبار سے مسلمانوں کی اقسام....

{2} ان میں سے کون سی قسم خسارے میں ہے، کون سی نہیں؟....

{3} عیوب کی اقسام....

{4} ان میں سے کن عیوب کا دور کرنا ضروری اور کن کی دوری حالات پر موقوف....

{5} بلحاظِ عیوب، خسارے میں مبتلاء اقسام کے مبتلائے خسارہ ہونے پر دلائل....

{6} دفعِ عیوب کے سلسلے میں عملی کوشش اختیار کرنے والوں کی اقسام....

{7} اپنے عیوب پہچاننے کے طریقے....

{8} عیوب دور کرنے کی راہ میں رکاوٹیں اور ان کا حل....

{9} دوسروں کی اصلاح کا جذبہ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## عیوب ونقائص کے اعتبار سے مسلمانانِ عالم کو چار (4) اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

﴿1﴾ پہلی قسم میں وہ مسلمان شامل ہیں جنہیں نہ تو اپنی ذات میں موجود تمام تر عیوب ونقائص کی کچھ پہچان ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ کسی ذریعے سے ان کی پہچان حاصل کر کے انہیں خود سے دور کیا جائے۔

﴿2﴾ دوسری قسم میں وہ مسلمان داخل ہیں کہ جو اتنا شعور تو رکھتے ہیں کہ میری ذات میں فلاں فلاں عیب موجود ہیں،لیکن انہیں دور کرنے کے بارے میں بالکل غور نہیں کرتے۔

﴿3﴾ تیسری قسم کے تحت وہ مسلمان آتے ہیں کہ جو ذاتی عیوب ونقائص کو اچھی طرح جانتے ہیں،انہیں دور کرنے کی خواہش بھی رکھتے ہیں،لیکن عملی قدم اٹھانے میں سستی کا شکار رہتے ہیں۔

اور....

﴿4﴾ چوتھی قسم میں ان مسلمانوں کو شمار کیا جاتا ہے کہ جو اپنی ذات میں موجود نقائص کو نہ صرف خوب اچھی طرح جانتے ہیں، بلکہ انہیں ان عیوب کی جستجو

بھی رہتی ہے کہ جو ابھی تک ان کی نگاہ سے پوشیدہ رہے تھے۔ نیز وہ مذکورہ برائیوں کو دور کرنے کا شعور وجذبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے عملی اقدامات اٹھانے میں بھی بالکل دیر نہیں کرتے۔

ذہین وفطین مسلمان پر مخفی نہ ہوگا کہ ان میں سے مقدم الذکر تین گروہ سخت خسارے میں ہیں، جب کہ دنیوی واخروی سعادت، مؤخر الذکر گروہ کے قدم چومنے میں فخر محسوس کرے گی۔

مذکورہ دعوے پر بطورِ دلیل، چند امور ذکر کرنے سے قبل ایک بات کا بطور تمہید پیش نظر رکھنا مفید ثابت ہوگا کہ عیوب کی تین (3) اقسام ہیں۔

**(1)** جو شریعت اور معاشرے دونوں میں عیب سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے زناء، چوری، ڈاکہ، قتل وغارت، جیب کاٹنے، کفن چوری اور بداخلاقی وغیرہ میں مبتلاء ہونا۔

**(2)** جو بلحاظِ شریعت عیب اور باعتبارِ معاشرہ عیب نہیں۔[1] جیسے غیبت، چغلی، جھوٹ، گالی گلوچ، بری صحبت، جوا، نماز وروزہ قضا کرنے، زکوۃ ادا نہ کرنے وغیرہ میں مبتلاء ہونا.. یا.. گانے باجے سننا، قہقہہ لگانا، کھڑے ہو کر کھانا پینا۔

---

[1]: یعنی باعتبارِ اکثر نہ کہ بلحاظ کل، چاہے اس کا سبب عدم معرفت ہو یا سستی وغفلت

(3) جو معاشرے پر نظر رکھتے ہوئے عیوب میں شمار ہوتے ہیں، لیکن رعایتِ شریعت انہیں عیب نہیں گردانتی۔ جیسے ہر حق و ناحق بات میں ہاں میں ہاں نہ ملانا.. یا.. بالغہ لڑکی کا کسی نامناسب رشتے سے انکار کرنا[1].. یا.. شادی سے قبل لڑکے کا لڑکی کو دیکھنا[2].. یا.. کسی دوست کا برائیوں میں کامل تعاون نہ کرنا وغیرہ

ان تمام عیوب میں سے ''بلحاظِ شرع عیوب'' کو دور کرنا تو لازم وضروری ہے ہی۔ لیکن دیگر کئی فوائد اور فتن کے پیش نظر باقی عیوب کا دور کرنا بھی بے شمار فوائد سے خالی نہیں۔ لیکن ان عیوب میں کسی ایک جانب کو اختیار.. یا.. ترک کرنے سے قبل حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے۔

اقسامِ نقائص جاننے کے بعد مندرجہ ذیل نقصانات پر غور و تفکر ثابت کردے گا کہ ہمارا مذکورہ دعویٰ کہ ''مقدم الذکر تین گروہ سخت خسارے میں ہیں، جب کہ دنیوی و اخروی سعادت، مؤخر الذکر جماعت کے قدم چومنے میں فخر محسوس کرے گی۔'' عقلی و نقلی لحاظ سے بالکل درست ہے۔

---

1 :۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عورت بالغہ عاقلہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کوئی نہیں کر سکتا، نہ اس کا باپ، نہ بادشاہِ اسلام، وہ عورت کنواری ہو یا ثیب۔

2 :۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو جس کو نکاح کا پیغام دیا ہے، اگر اسے دیکھ سکتا ہو تو دیکھ لے۔

**{1} اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں نامقبولیت :۔**

جو انسان جتنا زیادہ عیوب ونقائص سے پاک وصاف ہوگا، اتنا ہی برے اخلاق اور دیگر گناہوں سے دور ہوگا اور بداخلاقی اور خطاؤں سے جتنی زیادہ دوری بڑھے گی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں اس کی مقبولیت میں اتنا ہی زیادہ اضافہ ہوتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

**اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ** ۔ بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (کنزالایمان۔پ۲۶۔الحجرات ۱۳)

اور اس کے برعکس جس کی ذات عیوب ونقائص کی آماجگاہ بن جائے، اس کے لئے خود کو قابل مذمت امور سے بچانا ممکن نہیں رہتا اور ان امور پر جتنی زیادہ استقامت حاصل ہوتی جائے گی، اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں اس کا معیار اتنا ہی گرتا چلا جائے گا۔ اور معیار کا یہ زوال انسان کے لئے کس قدر نقصان کا باعث بن سکتا ہے، ذی شعور مسلمان کے لئے اس کا اندازہ کرنا بالکل دشوار نہیں۔

**{2} مخلوق خدا کی جانب سے حاصل ہونے والے بے شمار فوائد سے محرومی :۔**

عیوب مثلاً بداخلاقی، بار بار غصے کا اظہار وغیرہ کی موجودگی، انسان کو

اس کے گھر والوں ،دوست احباب اور دیگر قریب رہنے والوں کی نگاہوں میں قابلِ نفرت وکراہیت بنا دیتی ہے ،جس کا ایک منفی نتیجہ ان کی جانب سے حاصل ہونے والے مختلف فوائد سے محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔مثلاً مصیبت و بیماری وغیرہ میں مبتلاء ہونے کی بناء پر ان کی جانب سے اظہارِ ہمدردی ومالی امداد،ان کی دعاؤں میں جگہ بنانے ،مرجانے کی صورت میں ایصال ثواب اورنوکری وغیرہ کے حصول سے محرومی۔

## {3} شخصیت بے اثر:۔

اگر کوئی انسان اپنی شخصیت کو پر اثر بنانا چاہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ کم ازکم خودکو ان عیبوں سے پاک وصاف رکھے کہ جنھیں دیگر قریب رہنے والے دیکھ..یا..محسوس کر سکتے ہیں۔کیونکہ انسان اکثر اسی شخصیت سے اچھے اثرات قبول کرتا ہے کہ جسے عیوب ونقائص سے پاک دیکھتا ہے۔اعلانیہ عیبوں کی موجودگی میں کہنے والا کتنی ہی اچھی بات کہے،اس کے عیوب ونقائص اس اچھی بات کے اثرات کو زائل کر کے اسے بے اثر بنا دیتے ہیں۔لھذا اپنی شخصیت کو بے اثری سے محفوظ رکھنے کے لئے عیوب ونقائص کی دوری بہت ضروری ہے۔اساتذہ، مشائخ ،علماء،دین کی تبلیغ فرمانے والوں اور مساجد کے ائمہ حضرات کے لئے اس نکتے پر غور وتفکر کرنا بے حد ضروری ہے۔

## {4} کاروباری نقصان:۔

بری عادات کا وجود کاروبار پر بھی شدید منفی اثر مرتب کرتا ہے۔ کیونکہ جو کاروباری دھوکہ دہی، جھوٹ، فریب ومکاری اور وعدہ خلافی جیسے عیوب کا شکار ہو، وہ دیگر کاروباری حضرات کی نگاہوں میں اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے، جس کا منفی اثر'' دیگر حضرات کا اس سے کاروباری معاملات منقطع'' کر لینے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

یونہی جو سیلز مین مسکراتے چہرے، خوبصورت الفاظ کی ادائیگی اور گاہکوں کو توجہ واہمیت دینے کے ذریعے اپنی چیز بیچنے کی کوشش کرے، اکثر کامیابی اس کے قدم چومتی ہے اور ایک بار آیا ہوا گاہک بے اختیار دوبارہ اسی دکان پر جانا پسند کرتا ہے۔ اس کے برعکس بد اخلاقی، گاہکوں پر عدم توجہی، سپاٹ چہرہ اور مختصر اور بے اثر الفاظ کی ادائیگی، گاہکوں کو متنفر کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، نتیجۃً ایک مرتبہ آیا ہوا گاہک سابقہ تلخ تجربے کی بناء پر دوبارہ اسی مقام پر جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔

## {5} دشمنوں میں اضافہ، اچھے دوستوں سے محرومی:۔

بری عادتوں کی موجودگی، دشمنوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ اچھے اور مخلص دوستوں سے دوری کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ وجہ ظاہر

ہے کہ بری عادتوں کی بناء پر ظلم وزیادتی کا واقع ہونا کثیر ہوجاتا ہے مثلاً سب کے سامنے کسی کو بے عزت کر دینا، بری طرح جھاڑ پلا دینا، کسی کو سب کے درمیان مرکزِ تنقید و مذاق بنا لینا، غصے میں مبتلاء ہو کر معمولی بات پر مار پیٹ کر دینا۔ ان امور کی عادت اپنوں کو دور اور دشمنوں کو مزید انتقام پر ابھارتی ہے اور یوں انسان کو دشمنوں کی جانب سے خوف اور دوستوں کی جانب سے جدائی کا صدمہ بار بار برداشت کرنا پڑتا ہے۔

## {6} لوگوں کے قلوب سے عزت کا زوال:۔

بعض اوقات لوگ کسی کی اچھی صفات کے پیش نظر اس سے تعلق عقیدت قائم کر لیتے ہیں۔ ان کے قلوب اس شخص کی عزت وعظمت کے جذبات سے لبریز ہوجاتے ہیں۔ لیکن پھر بسا اوقات اکثر قریب رہنے اور اس کثرتِ قرب کی بناء پر اس شخصیت کے غیر محتاط ہوجانے کی وجہ سے عیوب ونقائص کے ظہور کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ ابتداءً، عقیدت رکھنے والا، ان عیوب کی مثبت تاویلات کے ذریعے خود کو سمجھاتا رہتا ہے، لیکن جب سلسلہ طویل ہوجائے اور ان عیوب کی موجودگی کا اتفاقاً وقوع پزیر ہونا نہیں بلکہ عادت میں شامل ہونا ثابت ہوجائے اور اس شخصیت کے ان عیوب سے پاک ہونے کے یقین پر مایوسیاں مکمل طور پر اپنا قبضہ جمالیں تو آہستہ آہستہ عقیدت کا مضبوط تعلق

کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ مذکورہ شخصیت کے عیوب، عقیدت مند کی پختہ سوچ کو پارہ پارہ کر کے، اسے اپنا مرکز عقیدت تبدیل کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ایسی مرکزِ عقیدت شخصیات کے لئے ضروری ہے خود کو ہمہ وقت شدید محاسبے کی چکی میں پیستے رہیں اور جتنا کچرا ظاہر ہو، اسے اپنی ذات سے دور کرنے میں بالکل دیر نہ فرمائیں۔

## {7} دوسروں پر اس کا منفی اثر:۔

یہ انسان کے لئے بدبختی کی علامت ہے کہ اس کے ذریعے برائیاں اور خرابیاں عام ہونا شروع ہو جائیں، جب کہ اسے نیک بختی کی علامات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انسان کے اعمال وافعال واقوال کسی کے لئے برائیوں سے بچنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کا سبب بن جائیں۔

عیوب کی موجودگی، انسان کو بدبختی کی علامت اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے، کیونکہ ایک شخص میں موجود برائی، غیر محسوس طریقے سے قریب رہنے والوں پر اپنا ناپاک اثر ضرور مرتب کرتی ہے، اسی لئے رحمتِ عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا،

تم میں سے جو کوئی دوست بنانا چاہے تو پہلے اچھی طرح دیکھ لے کہ کسے دوست بنا رہا ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے دوست کے راستے پر ہوتا ہے۔(ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ دوستی سے قبل ہی سامنے والے کی اچھی اور بری صفات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے کیونکہ بعد میں ان صفات کے اثر سے محفوظ رہنا ممکن نہیں۔

اس منفی اثر کا ترتب اس وقت مزید شدت اختیار کر لیتا ہے کہ جب یہ عیوب کسی ایسی شخصیت میں ہوں کہ جس کا ہر ہر قول و فعل، دوسروں کے لئے دلیل کی حیثیت رکھتا ہو۔ مثلاً استاد، پیر، ماں باپ، مسجد کا امام، عالم و مفتی وغیرہ۔

اس منفی اثر کے قبول کئے جانے کی قباحت کا اندازہ درج ذیل فرمان رسول (ﷺ) سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، کہ

''جو دین میں برا طریقہ جاری کرے گا تو اس پر اس کے جاری کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا کہ جو اس کے بعد اس طریقے پر عمل کرتے رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی بھی نہ ہوگی''۔

(مسلم)

## {8} نزع کی سختیاں:۔

عیوب، انسان کو گناہوں میں مبتلاء، بلکہ بسا اوقات دلدلِ کفر میں دھکیلنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ جس کا خمیازہ دنیا اور آخرت دونوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔ اخروی معاملات کا براہ راست سامنا کرنے کی ابتداء، سلسلۂ

حیات کے منقطع ہونے کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے۔نقائص کا وجود اس ابتداء کو مرنے والے پر بہت سخت کروا دیتا ہے۔اس سختی کا اندازہ درج ذیل روایات سے لگائیے، چنانچہ

☆ حضرت واثلہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا، تم اپنے مردوں کو کلمہ توحید کی تلقین کرو اور جنت کی بشارت دو کیونکہ اس وقت بڑے بڑے حلیم مرد و عورت حیران و پریشان ہوتے ہیں۔اس وقت شیطان انسان سے بہت زیادہ نزدیک ہوتا ہے، بخدا! ملک الموت کو دیکھنا تلوار کی ایک ہزار چوٹوں سے کہیں زائد ہے۔واللہ! جب انسان مرتا ہے تو اس کی ہر رگ انفرادی طور پر تکلیف برداشت کرتی ہے۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی القبور)

☆ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ فرشتے مرنے والے انسان کو باندھ دیتے ہیں، ورنہ وہ موت کی تکلیف کے باعث جنگلات میں بھاگتا پھرتا۔(ایضا)

☆ حضرت میسرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ اگر موت کی تکالیف کا ایک قطرہ تمام آسمان اور دنیا میں رہنے والوں پر ٹپکا دیا جائے تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔(ایضا)

☆ حضرت شداد بن اوس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ موت دنیا اور آخرت کی ہولناکیوں میں سے سب سے زیادہ ہولناک ہے، یہ آروں کے چیرنے، قینچیوں کے کاٹنے اور ہانڈیوں میں ابالنے سے زائد ہے۔ اگر مردہ زندہ ہوکر موت کی سختی لوگوں کو بتادے تو ان کا عیش اور نیند سب ختم ہوجاتا۔ (ایضاً)

## {9} عذاباتِ قبر:۔

اخروی لحاظ سے انسان کے لئے سب سے پہلی منزل ''قبر'' ہے۔ احادیثِ کریمہ میں بعد کے معاملات کی بہتری ..یا.. بربادی کے لئے اس میں اچھائی ..یا.. برائی کا سامنا کرنے کو بنیاد بنایا گیا ہے، چنانچہ،

مروی ہے کہ جب حضرتِ عثمانِ غنی (رضی اللہ عنہ) کسی قبر پر پہنچتے تو اتنا روتے کہ آپ کی ریشِ مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی۔ آپ سے عرض کی جاتی کہ حضور! آپ جہنم کا ذکر فرماتے ہیں تو اتنا نہیں روتے جتنا قبر کو دیکھ کر روتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟... تو آپ ارشاد فرماتے، اس وجہ سے کہ میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، جس نے اس سے نجات پائی تو بعد والی منازل اس کے لئے آسان ہیں اور اگر اس نے نجات نہ پائی تو بعد والی منازل اس سے بھی زائد کٹھن اور دشوار ہیں۔ (ابن ماجہ)

☆ اور مروی ہے کہ رحمتِ عالم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا،

''قبر، یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے.. یا..دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔'' (بیہقی)

اب واضح بات ہے کہ جس نے ذاتی عیوب ونقائص کی موجودگی میں موت کو گلے لگایا اور اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوا تو اس کے لئے قبر جہنم کا گڑھا ثابت ہوگی اور جب اس منزل میں ہی خسارے کا منہ دیکھنا پڑا تو آگے کیا ہوگا، مذکورہ حدیثِ پاک کی روشنی میں اس کا اندازہ لگانا کچھ زیادہ دشوار نہیں۔

اگر ان **نکات** کو بیان کر کے کسی بھی صاحبِ عقل مسلمان سے سوال کیا جائے کہ ذاتی عیوب کو خود سے دور کرنا بہتر وضروری ہے .. یا..نہیں؟....تو انشاءاللہ عزوجل جواب، ہاں میں ہی ہوگا۔

اب، **مذکورہ بات** کا اقرار کرنے اور دفعِ عیوب کی عملی کوشش کا پختہ ارادہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہوں گی۔

﴿1﴾ جن میں اپنے تمام عیوب کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہے۔ چاہے وہ عیوب ظاہری ہوں یا باطنی۔

﴿2﴾ جن میں فقط بعض عیوب پہچاننے کی صلاحیت ہے۔

دوسری قسم کے حضرات کو چاہیئے کہ اپنی ذات میں تمام عیوب کی نشاندہی کے لئے درج ذیل اعمال میں سے کسی ایک.. یا..تمام کو ہی اختیار کرنے

کی کوشش کریں، ان شاء اللہ عزوجل کچھ ہی عرصے میں تمام عیوب کھل کر سامنے آجائیں گے۔

**(1)** دینی کتب کا کثرت سے مطالعہ کریں، تاکہ آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ کریمہ کے مطالعے سے معلوم سکے کہ شریعت کس چیز کو عیب اور کسے خوبی شمار کرتی ہے۔ نیز تصوف کے موضوع پر لکھی گئی کتب بھی اس معاملے میں بے حد مفید ثابت ہو سکتی ہیں، لھذا ان کے بھی مطالعہ کی عادت ضرور ڈالیں۔ پھر ان کتب کے ذریعے اچھی صفات اور برے عیوب کو جاننے کے بعد دیانت داری کے ساتھ اپنا محاسبہ کریں کہ میری ذات ان صفات سے متصف ہے.. یا.. نہیں اور مذکورہ برائیوں مجھ سے دور ہیں.. یا نہیں۔

**(2)** کسی پیر کامل کا دامن تھام لیں اور اس کی صحبت میں اکثر و پیشتر وقت گزارنے کی کوشش کریں تاکہ ان کے ملفوظات کی روشنی میں اپنے عیوب پہچاننے میں آسانی ہو جائے۔ نیز پیر صاحب خود اپنی باطنی نگاہوں سے اس کے عیوب کو جان کر آگاہ فرماتے رہیں۔

**(3)** اپنے قریبی اور قابل اعتماد دوستوں نیں سے کسی کو خود پر محاسب مقرر کرلیں کہ وہ موقع محل کے اعتبار سے ان کی برائیوں کی نشاندہی کرتا رہے۔ لیکن اس صورت میں اس بات کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ اس

دوست کی نشاندہی پر غصے میں نہ آئیں، نہ ہی حیلے بہانوں کے ذریعے اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کریں، نہ اس بناء پر کچھ عرصے بعد اس کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کریں اور نہ اس سے بیزار ہوں۔ اگر ان کیفیات کا پیدا ہونا ممکن نظر آئے تو پھر اس کو محاسب مقرر نہ کرنا ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔

اور یہ بھی لازم نہیں کہ ان کا دوست جن جن عیوب کی نشاندہی کرے وہ ان کی ذات میں یقیناً موجود بھی ہوں۔ یعنی ہوسکتا ہے کہ کسی مقام پر خود اسے پہچاننے میں غلطی واقع ہوگئی ہو۔ اگر کبھی ایسا ہوجائے تو پھر بھی ناراض نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ایک ایسے عیب کی نشاندہی کی کوشش کی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو پہلے ہی پاک رکھا ہوا تھا۔

اس معاملے میں ہمارے اکابرین کا جذبہ ملاحظہ فرمایئے کہ

☆ کسی نے حضرت داؤد طائی (رحمۃ اللہ علیہ) سے لوگوں سے دور رہنے کی وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا، میں ایسے لوگوں کے درمیان رہ کر کیا کروں کہ جو میرے عیوب ونقائص مجھ سے چھپاتے ہیں۔'' (احیاء العلوم)

☆ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو میرے عیوب ونقائص مجھے بتائے۔ (ایضاً)

☆ مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت سلیمان فارسی (رضی اللہ

عنہ) سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو میرے کچھ عیوب کا علم ہے؟...انہوں نے کہا وہ کون ہے جو ایسی حرکت کرے؟...آپ نے اصرار فرمایا تو انہوں نے کہا، مجھے معلوم ہوا کہ آپ اپنے دستر خوان پر دو سالن جمع کرتے ہیں..اور..آپ کے پاس دو جوڑے ہیں ایک دن کے لئے اور ایک رات کے لئے؟....آپ نے پوچھا کہ کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی معلوم ہوا ہے؟....انہوں نے جواب دیا نہیں۔فرمایا یہ بھی کافی ہے۔'' (ایضاً)

☆ یونہی مروی ہے کہ حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کرتے تھے کہ آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صاحبِ راز ہیں کیا آپ مجھ میں آثارِ نفاق تو نہیں پاتے؟....(ایضاً)

اگر ممکن اور مناسب معلوم ہو تو اپنے گھر والوں میں کسی کو محاسب مقرر کرنا چاہیئے، کیونکہ انسان جتنا بے تکلفی سے اپنے گھر والوں کے سامنے رہتا ہے اتنا باہر نہیں رہتا، نیز جتنا قریبی اور بار بار کا مشاہدہ اس کے گھر والوں کو حاصل ہے اتنا کسی باہر والے کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

**(4)** ان کے دشمن ان کے خلاف جو کچھ کلام کرتے ہوں، اس پر خوب سنجیدگی سے غور و تفکر کریں۔ کیونکہ دوست تو ہوسکتا ہے کہ مروت میں بہت سی باتیں براہِ راست کہتے ہوئے جھجک محسوس کرے، لیکن دشمن اس معاملے میں

بالکل رعایت نہیں کرے گا،لھذا جتنی کھری نشاندہی دشمن کی جانب سے متوقع ہے،اتنی کی دوست کی جانب سے توقع نہیں۔اوراس مقام پر بھی دشمنوں سے ناراض نہیں ہونا چاہیئے ، بلکہ ہو سکے تو اس نشاندہی پر دل سے ان کے مشکور ہوں کہ ایک عیب کو دور کرنے کے سلسلے میں ان کے ساتھ تعاون کیا۔نیز ایسا نہ ہو کہ جواب میں یہ بھی ان کے عیوب بیان کرنا شروع کر دیں کیونکہ یاد رکھیں کہ یہ بھی ایک عیب ہے۔

(5) اپنے اطراف میں رہنے والے دیگر مسلمان بھائیوں کا گہری نظر سے مشاہدہ فرماتے رہیں۔پھر ان میں جن غلطیوں کو موجود پائیں انہیں نوٹ کرتے رہیں۔اس کے بعد اپنے بارے میں خوب غور فرمائیں کہ یہ عیب مجھ میں بھی موجود ہے..یا..نہیں؟

اگر موجود نظر آئے تو فوراً اس پہلو پر غور کرتے ہوئے خود سے دور کرنے کی کوشش کریں کہ جس طرح اس عیب کی موجودگی میں فلاں شخص مجھے برا محسوس ہوا اگر یہ مجھ میں رہا تو یقیناً میں بھی دوسروں کی نگاہوں میں اسی طرح برا بن جاؤں گا اور دوسروں کی نگاہوں میں برا نظر آنا کمال نہیں بلکہ ہر عیب سے پاک وصاف دکھائی دینا خوبی ہے۔

کسی نے حضرت عیسٰی (علیہ السلام) سے سوال کیا کہ آپ کو ادب کس نے

سکھایا؟...آپ نے فرمایا کسی نے نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ جب بھی میں نے کسی جاہل میں جہالت کی کوئی بات دیکھی تو اس سے پرہیز کیا۔(احیاء العلوم)

لیکن اس مقام پر یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ دوسروں کے عیوب پر نظر فقط خود کو محفوظ رکھنے کی نیت سے ہو، نہ یہ کہ انہیں معلوم کر کے دوسروں تک پہنچائے۔ نیز فقط ظاہری عیوب کو ہی دیکھے مخفی کی تحقیق نہ کرے کہ مسلمان بھائی کے عیوبِ پوشیدہ پر مطلع ہونے کی کوشش ممنوع ہے۔

اس کے بعد اس پہلو پر بھی روشنی ڈالنا مفید معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے عیوب ونقائص سے واقف ہونے کے باوجود انہیں خود سے دور کرنے کی ہمت نہیں کر پاتا۔اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثلاً

﴿1﴾ مالی نفع کا حصول.............

(جیسے کاروباری حضرات کا جھوٹ اور دھوکہ دہی کے ذریعے مال کمانا)....

﴿2﴾ برے دوستوں کی صحبت.........

﴿3﴾ گھر کا ماحول.................

﴿4﴾ نفس وشیطان....................

﴿5﴾ اخروی معاملات سے غفلت....

(6) خوفِ خدا سے دوری...........

(7) طبعی تقاضے.................... [1]

(8) عجب وخود پسندی.............

(9) ان عیوب کے ذریعے انفرادیت کا حصول....

(10) علمِ دین سے محرومی...........

ان تمام اعذار سے چھٹکارے کے لئے درج ذیل امور پر استقامت حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔

(1) علم دین کا حصول....

(2) فقط نیک اور مخلص دوستوں کی صحبت.... [2]

(3) نفس وشیطان اور اپنے فاسد طبعی تقاضوں کی مخالفت....

(4) موت، عذاباتِ قبر، ذلتِ محشر اور جہنم کا سخت عذاب یاد رکھنا۔

(5) دنیا میں آمد کے مقصد پر گہری نگاہ اور اس تکمیل کے لئے عملی

---

[1]:۔ کیونکہ بعض حضرات کو بغیر کسی وجہ کے عیوب میں مشغول رہنا اچھا محسوس ہوتا ہے، یہ ان کی باطنی خرابی اور طبیعت کے فاسد تقاضوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

[2]:۔ بامر مجبوری ملاقات چاہے سب سے رکھیں، لیکن اٹھنا بیٹھنا اور زیادہ دیر صحبت میں رہنا انہی حضرات کے ساتھ رکھئے کہ جو اچھی صفات کے حامل ہوں۔)

کوشش۔[1]

## (6) اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت۔

آخر میں محبت بھری التجاء ہے کہ رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا، جو اپنے لئے پسند کیا وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کرو تمہارا ایمان کامل ہو جائے گا۔(مسند امام احمد بن حنبل)

اس فرمان عالیشان کی روشنی میں ہمیں اپنے ذاتی محاسبے اور عملی کوشش کے ذریعے عیوب ونقائص کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل میں دیگر مسلمان بھائیوں کو برائیوں سے پاک وصاف کرنے کا جذبہ بھی ضرور رکھنا چاہیئے۔

اس اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اطراف میں جس بھی مسلمان بھائی میں کوئی عیب ملاحظہ فرمائیں، زبانی..یا. تحریری طور پر اس کو اطلاع دینے میں دیر نہ کریں۔ اگر کوئی ہماری درخواست پر برائی سے بچ گیا تو ثواب جاریہ اور نہ بچا تو کم از کم نیکی کا راہ دکھانے کا ثواب تو ہاتھ آ ہی جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] :۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں آوارہ گردیوں اور لوگوں کے درمیان بری صفات سے عزت ومرتبہ وانفرادیت حاصل کرنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اپنی فرمانبرداری واطاعت کے لئے پیدا فرمایا، جس کی دلیل یہ فرما عالیشان ہے کہ "اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاط ترجمہ:۔ وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں سے کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔ ﴿ترجمہ کنزالایمان. آیت ۲. پ۲۹﴾

انسان کے مقصدِ تخلیق کی یاد دلانے والی ایک اصلاحی تحریر

# مقصدِ حیات

مؤلف

مفتی محمد اکمل مدنی

ناشر

مکتبہ اعلیٰ حضرت۔لاہور

# پہلے اسے پڑھئے

الحمد للہ عزوجل! ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے سلسلے میں اصلاحی کتب کی فراہمی میں مکتبۂ اعلیٰ حضرت ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس ادارے کے تحت چھپنے والی اصلاحی کتب کی برکت سے کثیر اسلامی بھائیوں کو اپنے محاسبے اور اس کے بعد نیک بننے کے لئے عملی کوشش کرنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔

''مقصدِ حیات'' بھی اصلاحی انداز پر مشتمل ایک جداگانہ تحریر ہے۔ جس میں انسان کی تخلیق کے مقصد کو یاد دلانے کے ساتھ ساتھ اسے پورا کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ امید ہے اپنے دل چسپ طرزِ تحریر کی بنا پر یہ رسالہ بھی کتبِ سابق کی طرح، ذوق وشوق کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

آپ سے درخواست ہے کہ دوسرے اسلامی بھائیوں کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دلا کر اپنے نامۂ اعمال میں نیکی کی دعوت عام کرنے کا ثواب درج کروائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کا کامل ترین دشمن بن کر بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین (صلی اللہ علیہ وسلم)

خادمِ مکتبۂ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ بمطابق 13 اکتوبر 2003ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

.. تعالیٰ کے علیم وخبیر وحکیم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔اس امر کو تسلیم ... نے کے بعد یہ ماننا بھی لازم وضروری ہے کہ اس کا کوئی بھی کام، حکمت ومصلحت اور کسی مقصد صحیح سے خالی نہیں ہوتا۔کیونکہ اگر اس کے کسی بھی فعل کو خالی از حکمت ومقصدِ صحیح تصور کیا جائے،تو معاذ اللہ ،اس ذاتِ پاک کی جانب بے کار کام میں مشغولیت کی نسبت کرنا بھی جائز قرار پائے گا، کیونکہ جو کام بغیر کسی مقصد کے کیا جائے ، بے کار ولغو ہی ہوتا ہے ۔اور چونکہ بیکار وفضول کام میں مشغولیت ایک عیب ہے،لھذا اس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو عیب ناک ماننا لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو عیب کے ساتھ متصف ماننا یقیناً شدید قابل گرفت عمل ہے۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کسی چیز میں پوشیدہ حکمتِ الٰہی ہماری سمجھ میں نہ آسکے۔ لیکن اس سے ہماری سمجھ وعقل کا ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے،معاذ اللہ (عزوجل) اس چیز کو بے کار ولغو قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد (علیہ السلام) اپنے حجرے میں زبور شریف کی تلاوت کررہے تھے کہ ملاحظہ فرمایا کہ مٹی سے ایک سرخ رنگ کا کیڑا نکلا۔ آپ نے دل میں سوچا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کس لئے بنایا ہوگا؟''...اللہ تعالیٰ نے کیڑے کو قوتِ گویائی عطا فرمادی ،اس نے عرض کی،''اے نبی اللہ! میرا دن اس حال میں گزرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ میں ایک ہزار بار پڑھوں،''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔اور میری شب اس طرح گزرتی ہے کہ اللہ عزوجل نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ میں ایک ہزار بار پڑھوں،''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ (یعنی اے اللہ! محمد نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آل واصحاب

(رضی اللہ تعالیٰ عنھم) پر رحمت اور سلامتی نازل فرما)۔ (مکاشفۃ القلوب)

**لھذا نتیجہ یہی نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ہر کام کسی نہ کسی خاص مقصد کے لئے** ہے۔ جب یہ بات تسلیم کر لی جائے، تو یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ اس نے تمام مخلوق کو بھی کسی نہ کسی خاص مقصد کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں انسان بھی شامل ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اس کی پیدائش کا بھی کوئی نہ کوئی عظیم مقصد ضرور ہوگا۔

**اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمیں معلوم ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں کس مقصد کے لئے دنیا میں بھیجنا پسند فرمایا؟....**

شائد ہمارے مسلمان بھائیوں کی اکثریت یہ نہیں جانتی کہ ہمیں کس مصلحت کے تحت زندگی اور دیگر اسبابِ حیات مہیا کئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق اپنا مقصدِ حیات منتخب کر لیا ہے۔ چنانچہ

کسی نے نت نئے فیشن اپنانے......

کسی نے مختلف ذائقوں کے حامل لذیذ کھانے کھانے......

کسی نے گناہوں سے لذت حاصل کرنے......

کسی نے کھیل کود میں نام روشن کرنے......

کسی نے پڑھ لکھ کر کسی دنیاوی منصب کو حاصل کرنے اور کسی نے مال و دولت اکٹھا کرنے کو اپنا حتمی مقصدِ حیات قرار دے دیا ہے۔

یاد رکھیں کہ مذکورہ سوال کا جواب تلاش کرنا، درست مقصدِ حیات کو جان کر اپنا محاسبہ کرنا اور کوتاہی ثابت ہونے کی صورت میں فوراً سنجیدگی سے عملی کوشش کا شروع کر دینا، بے حد ضروری ہے۔

وجہ واضح ہے، کیونکہ مزدور اسی وقت اجرت کا مستحق ہوتا ہے کہ جب اپنے

ذمے لگایا ہوا کام پورا کر لے۔ ادھورا یا ناقص کام، نہ صرف اجرت سے محروم کروا دیتا ہے، بلکہ انسان کو ملامت وسزا کا مستحق بھی ٹھہرا دیتا ہے۔ مثلاً آپ نے دو مزدوروں کو کسی مخصوص اجرت پر دو دیواریں تعمیر کرنے پر لگایا۔ شام کو آکر ملاحظہ کیا، تو معلوم ہوا کہ ایک نے تو اپنا کام مکمل اور بالکل آپ کی مرضی کے مطابق کیا ہے، جب کہ دوسرے نے بالکل کام نہیں کیا.. یا.. کیا، لیکن ادھورا کیا.. یا.. کیا، لیکن ناقص اور آپ کی مرضی کے خلاف کیا، تو یقیناً آپ پہلے والے کو انعام اور حوصلہ افزاء جملوں سے نوازیں گے جب کہ دوسرے کو نہ صرف مزدوری سے محروم رکھیں گے، بلکہ وقت ضائع کرنے پر لعنت ملامت کا ہار بھی پہنائیں گے۔ وجہ وہی ہے کہ دوسرے مزدور کو جس مقصد کے لئے مقرر کیا گیا تھا، اس نے وہ مقصد پورا نہ کیا، لھذا سزا کا مستحق ٹھہرا۔ اوراب یقیناً وہ مطالبہ اجرت بھی نہیں کرسکتا، کیونکہ اس نے کام پورا نہیں کیا۔

پس اسی مثال کو سامنے رکھ کر ہمیں بھی سنجیدگی سے اپنے اوپر غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ایک خاص مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا۔ جب ہم یہ مقصد پورا کریں گے، تو اجرت یعنی جنت کے مستحق ٹھہریں گے اور اگر اس میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے، تو نہ صرف انعام سے محروم ہوں گے، بلکہ من جانب اللہ ملامت وسزا کا تحفہ بھی قبول کرنا پڑے گا اور ہمیں مطالبہ اجرت مناسب نہیں۔

اس پوری بحث کے بعد یقیناً ہمارے قلبی اضطراب میں اضافہ ہونا چاہیئے کہ مقصدِ حیات پورا کرنے یا نہ کرنے کی باری تو بعد میں آئے گی، ہمیں تو یہی نہیں معلوم کہ ہمیں دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے۔ اور جس شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ مجھے کیا کام کرنا ہے، تو یقیناً اس کو کامل طور پر پورا کرنا، کس طرح ممکن ہو گا؟....

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس مقصد کے لئے ہمارے لئے زندگی کو پیدا فرمایا، بے شمار اسباب مہیا فرمائے اور ان کے

استعمال کے طریقے الہام فرمائے؟....

اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ ہمیں قرآن عظیم، فرقان حمید سے پوچھنا چاہیئے کہ بنی نوع انسان کی تخلیق کے پیچھے، اللہ تعالیٰ کی کون سی حکمت کارفرما ہے؟...

لیکن افسوس کہ اس مقام پر بھی ہماری کوتاہیاں، داغ محرومی کی خبر دے رہی ہیں۔ کیونکہ ہمیں یہی نہیں معلوم کہ قرآن ہم سے کیا کہہ رہا ہے۔ کیونکہ ہم نے اسے ترجمے کے ساتھ مکمل طور پر پڑھنے اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ کسی مستند تفسیر سے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ شائد ایک لاکھ مسلمانوں کو کھڑا کر دیا جائے، تو ان میں سے ایک بھی ایسا نہ ملے گا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے اس پاکیزہ ومُنَزَّہ عَنِ الشَّک کلام کو ترجمے کے ساتھ پڑھنے کی زحمت گوارا کی ہو۔ فی زمانہ بچوں کو قرآن پڑھوانا بھی فقط ایک رسم ورواج ہی بن کر رہ گیا ہے، کیونکہ اس سے مقصود صرف عربی عبارت کا پڑھ لینا ہوتا ہے، قرآن کا سمجھنا سمجھانا پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ختم کرنے والے بچے سے معلوم کریں، تو وہ ایک لائن کا ترجمہ بھی نہیں سنا سکتا۔

غرض یہ کہ جب قرآن کو ترجمے سے پڑھنے کا شعور ہی ختم ہو گیا، تو اس کی تعلیمات کی معرفت کیسے حاصل ہوگی اور جب اس کی تعلیمات ہی نہ جانی جائیں گی، تو کیسے معلوم ہوگا کہ ہمیں کیوں اور کس لئے پیدا کیا گیا ہے۔

بہرحال آیئے قرآن عظیم سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا۔ قرآن عظیم اس سوال کا جواب سورہ ملک میں واضح الفاظ میں دیتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ عالی ہے،

''اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں سے کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔ (الملک ۲)

اس آیتِ پاک سے معلوم ہو گیا کہ اللہ عزوجل نے ہمیں دنیا میں نیک اعمال جمع کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اپنا محاسبہ کریں، یہ جان لینا بے حد ضروری اور مفید ہے کہ نیک اعمال سے مراد صرف نماز، روزہ، حج، زکوۃ و جہاد کی ادائیگی ہی نہیں۔ بلکہ

''اپنے ہر ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اور شریعت کے دائرے میں رکھ کر کرنا، جن کاموں کا اس نے حکم دیا، انہیں ان کی مکمل شرائط کے ساتھ استقامت سے ادا کرنا اور جن امور سے بچنے کا حکم دیا، انہیں ترک کر دینا یا ان سے بچنے کی سعی کرنا مراد ہے۔''

اس وضاحت سے اس سوال کا جواب بھی حاصل ہو گیا کہ اگر ہمیں فقط نیک اعمال کے لئے بھیجا گیا ہے، تو کیا ہم شادی بیاہ، لوگوں سے میل ملاپ، دنیاوی تعلیم، کاروبار و نوکری وغیرہ تمام امور ترک کر دیں؟....

کیونکہ اگر یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور دائرہ شریعت میں رہ کر کئے جائیں، تو اب ان کا شمار بھی نیک اعمال میں ہی کیا جائے گا۔

اب خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادات کی ادائیگی اور گناہوں سے دور رہنے کے لئے بھیجا ہے۔ اور اس مقصدِ عظیم کے لئے ہر قسم کے اسباب مہیا فرما دیئے۔

اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ان اسباب کو درست مقصدِ حیات کی تکمیل میں استعمال کریں اور بے کار مقاصد پورے کرنے کی صورت میں ضائع ہونے سے بچائیں۔

اس مقصدِ حیات کو جاننے کے بعد ہم سب کو سنجیدگی کے ساتھ اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کیا ہم اس عظیم مقصد کی تکمیل میں مصروفِ عمل ہیں یا نہیں؟.....

اس محاسبے کے نتیجے میں یقیناً بے حد افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہماری اکثریت اس مقصد کی تکمیل سے غافل ہے۔ کیونکہ نہ تو

ہمیں عبادات کی ادائیگی کا ذوق وشوق ہے اور نہ ہی گناہوں سے بچنے کا احساس وشعور۔ نیز ہمارے بقیہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں، بلکہ دنیا، نفس یا شیطان کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں۔

اس قابل تشویش صورتِ حال پر سنجیدگی سے نظر ڈالتے ہوئے، ذرا سابقہ بات کو پیش نظر لائیں کہ اگر ہم نے یہ مقصد پورا نہ کیا، تو کیا اجرت کے مستحق ہو سکتے ہیں؟....اور کیا اس صورت میں ہمیں، اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے نتیجے میں سخت عذاب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟.....کیا ایسی صورتِ حال کے باوجود اجرت کی تمنا کرنا بے وقوفی نہیں۔ ذرا توجہ سے درج ذیل روایات ملاحظہ فرمایئے۔

نبیٔ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے لئے تیاری کرے اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور (اس کے باوجود) اللہ سے (اچھی) امیدیں رکھے۔

(مشکوۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)

اور حضرت یحیی بن معاذ رازی (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں کہ ''کوئی حماقت اس سے بڑھ کر نہ ہوگی کہ انسان دوزخ کا بیج بوئے اور جنت کی فصل کاٹنے کی امید رکھے، کام عاصیوں والے اور مقام نیکوں والا تلاش کرے۔''

(کیمیائے سعادت۔ ۷۶۶)

اور آپ ہی سے منقول ہے کہ ''میرے نزدیک عظیم ترین دھوکہ یہ ہے کہ انسان بغیر ندامت کے، معافی کی امید پر، گناہوں پر دلیر ہوتا چلا جائے...اور...بغیر اطاعت کے اللہ تعالیٰ کے قرب کی امید رکھے...اور...جہنم کا بیج بو کر جنت کی کھیتی کی توقع کرے...اور...گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کے مقام تک پہنچنے کی تمنا کرے...اور...بغیر عمل کے بہترین جزاء کا منتظر رہے...اور...کثیر خطاؤں

پر دوام کے باوجود اللہ تعالیٰ کی جانب سے فقط عفو و درگز ، کا یقین رکھے۔''

چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ غفلت سے جاگیں ، اپنا مقصدِ حیات ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور اس کی تکمیل کے لئے بھرپور کوشش میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس پُرفتن دور میں مکمل طور پر اس مقصد کی تکمیل ممکن ہے؟...

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نظر اپنی عقل و ہمت و اسباب پر منحصر ہو، تو یقیناً اس کا حصول ناممکن نہیں، تو مشکل ترین ضرور ہے۔ لیکن اگر توجہ، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے وعدے پر ہو، تو یقیناً یہ نہ صرف ممکن ، بلکہ بعطائے الٰہی آسان بھی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے،

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔ (العنکبوت۔۶۹)

نیز کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ جس میں یہ مقصد پورا نہ کیا جا سکتا ہو اور نہ ہی کسی ایسے دور کے آنے کی امید ہے۔ کیونکہ اگر کسی دور میں اس مقصد کا حصول ناممکن ہو جائے ، تو معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان عالیشان کا غلط ہونا ثابت ہوگا کہ

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ (البقرۃ۔۲۸۶)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان نہ غلط ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن ہے۔ فرمان عالیشان ہے،

لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ ۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ (یونس۶۴)

لھذا آئیے ہم سب خوب ہمت و جواں مردی کے ساتھ اس بات پر غور

کریں کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کن امور کا حصول ضروری ہے اور ان کے حصول کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ چنانچہ جن امور کا حصول ضروری ہے، ان کی نشاندہی اور مختصر وضاحت پیش خدمت ہے۔

## (1) علمِ دین کا حصول:۔

اس بارے میں کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آخرت کی تیاری کے سلسلے میں عقائد، عبادات اور گناہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ اور ان کی مکمل معرفت علمِ دین کے بغیر ممکن نہیں۔ جاہل اپنی جہالت کی بناء پر بسا اوقات غلط عقیدے کو اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً بعض جہلاء اس قسم کے عقیدے کا برملا اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی جگہ معین کرنا ممنوع ہے کیوں کہ بہار شریعت (حصہ اول) میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ جہت ومکان وزمان وحرکت وسکون وشکل وصورت وجمیع حوادث سے پاک ہے۔"

پھر اگر عقائد درست ہوں تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ عبادت کس طرح مکمل ہوتی ہے اور کون کون سی غلطیاں اس کے ثواب کو ضائع کروا دیتی ہیں۔ یونہی چونکہ اسے گناہوں کی مکمل معرفت حاصل نہیں ہوتی مثلاً حسد کیا ہے؟ ریاءکاری کسے کہتے ہیں؟ بخل کی تعریف کیا ہے؟ تکبر کی شرائط کون کون سی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ لھذا اس کے لئے بے شمار گناہوں سے بچنا ممکن نہیں رہتا، بلکہ بعض اوقات تو اپنی اسی جہالت کی بناء پر گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتا ہے۔ مثلاً زمین پر پڑے ہوئے پیسے اٹھا کر اپنی طرف سے ثواب کی نیت کے ساتھ خرچ کرتا ہے.. یا.. سود ورشوت کے پیسے کو راہِ الٰہی میں خرچ کر کے ثواب کی امید لگاتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں فعل حرام ہیں۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اگر موضوع سے ہٹ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ضرور آپ کی خدمت میں بالتفصیل وجوہات عرض کرتا۔

## (2) عمل کی سعادت:۔

علمِ دین کے حصول کے بعد اس پر عمل کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ صرف علمِ دین حاصل کر کے رک جانا اور عمل نہ کرنا باعثِ ہلاکتِ آخرت ہو سکتا ہے۔ امامِ غزالی (رحمہ اللہ) اسی بات کو ایک بہت پیاری مثال سے بیان فرماتے ہیں کہ،

''علم حاصل کر کے عمل نہ کرنے والے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک طبیب نے علاج کے بہترین طریقے سیکھے اور اس سے متعلق بہت سی کتابیں بھی جمع کر لیں۔ پھر اسے ایک مہلک مرض لاحق ہو گیا جس کا علاج بھی اس کے پاس موجود تھا، لیکن اس نے دوا نہیں کھائی بلکہ صرف زبان سے کہتا رہا کہ میرے پاس اس کا علاج موجود ہے اور اپنی کتابوں کو دیکھ کر خوش ہوتا رہا، حتی کہ مرض نے زور پکڑا اور وہ موت کا شکار ہو گیا۔'' (احیاء العلوم)

اسی وجہ سے ہمارے اسلاف عمل کی اہمیت کو بار بار واضح فرماتے رہے چنانچہ،

{1} ایک مرتبہ بعدِ نمازِ فجر پیارے آقا ﷺ نے صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا، ''میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے اور وہ سچ ہے، تم اسے خوب سمجھ لو ۔آج میرے پاس ایک آنے والا آیا اور مجھے ایک لمبے چوڑے پہاڑ پر لے گیا۔ جب ہم اس کے درمیانی حصے میں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ کچھ مرد اور عورت ایسے ہیں جن کے منہ چیر دیئے گئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ ''یہ کون لوگ ہیں؟'' عرض کی گئی کہ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کہا کرتے تھے اس پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔'' (شرح الصدور)

{2} حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ ''میں امت کے منافق عالم سے خائف ہوں۔'' عرض کی گئی ''منافق عالم کون ہوتا ہے؟'' فرمایا، ''جس کی زبان عالم ہو مگر دل اور عمل جاہل ہوں۔ (یعنی وہ۔ بے عمل ہو)'' (مکاشفۃ القلوب)

{3} حضرت ابو الدرداء (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے تھے کہ ''جو شخص نہیں جانتا

اس کے لئے ایک تباہی ہے اور جو جانتا ہے لیکن اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کے لئے سات مرتبہ تباہی و ہلاکت ہے۔'' (تنبیہ الغافلین)

{4} مروی ہے کہ تین قسم کے اشخاص کو بروزِ قیامت سب سے زیادہ حسرت ہوگی۔

(i) وہ آقا کہ جس کا نیک غلام جنت میں اور وہ خود اپنی بداعمالیوں کی بناء پر جہنم میں جائے گا۔

(ii) وہ شخص جس نے مال جمع کیا، اور اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کئے بغیر مر گیا۔ پھر ورثاء نے اس مال کو طاعتِ الٰہی میں خرچ کیا، تو یہ لوگ اس کے باعث جنت میں چلے جائیں گے، جب کہ مال جمع کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

(iii) وہ بے عمل شخص کہ جو لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا تھا، لیکن خود عمل نہیں کیا کرتا تھا۔ پھر لوگ ان باتوں پر عمل کر کے جنت پا جائیں گے، لیکن یہ بدنصیب اپنی بے عملی کے باعث داخلِ جہنم ہوگا۔ (تنبیہ الغافلین)

(3) عبادات کی ادائیگی اور گناہوں سے پرہیز پر استقامت:۔

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کی ادائیگی ہم پر فرض یا واجب قرار دی ہے اسے استقامت سے ادا کرنا اور جس چیز سے منع فرمایا اس سے رک جانے پر پابندی اختیار کرنا بھی آخرت کی تیاری کے سلسلے میں بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ جنت میں داخلے اور جہنم سے آزادی کے حصول کے سلسلے میں یہ دو چیزیں بہت اہم کردار ادا کریں گی۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ، ''سن لو! جنت خلافِ نفس امور کی وجہ سے ملے گی اور دوزخ میں لوگ خواہشات کی پیروی کی بناء پر جائیں گے۔'' (احیاء العلوم)

یقیناً عبادات، خلافِ نفس امور اور گناہ خواہشاتِ نفسانی کے تحت داخل ہیں۔

**(4) خوفِ خدا:۔**

اللہ تعالیٰ کا خوف بھی اخروی کامیابی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہوا سے گناہوں سے وحشت نہ ہوگی..اور..نہ ہی عبادت پابندی سے ادا کر سکے گا، لامحالہ شیطان اسے تباہ و برباد کردے گا۔ نیز دنیا و آخرت میں ہر غم وفکر سے نجات کے لئے بھی اس کا ہونا لازم ہے۔ جیسا کہ پیارے آقا ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم،! میں ایک بندے پر دو خوف اور دو امن جمع نہیں کروں گا۔ یعنی اگر کوئی بندہ دنیا میں مجھ سے ڈرے گا تو آخرت میں اس کو بے فکر رکھوں گا اور اگر دنیا میں بے خوف رہا تو آخرت میں اسے فکر مند رکھوں گا۔ (شعب الایمان جلد اول)

**(5) عشقِ رسول ﷺ:۔**

علمِ دین کے حصول، عمل کی سعادت، گناہوں سے پرہیز، عبادات پر استقامت اور خوفِ خدا کے ساتھ ساتھ ایک مومنِ صادق کے سینے کا رحمتِ عالم، محبوبِ باری تعالیٰ، سید الانبیاء ﷺ کے عشق ومحبت سے لبریز ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ سرکارِ نامدار، شفیعِ روزِ شمار ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے، ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔'' (بخاری ومسلم)

اور محبتِ رسول ﷺ کی بناء پر ایمانِ کامل، دخولِ جنت کا سبب ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا، ''مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ۔ یعنی جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی)

**(6) توبہ:۔**

کامیابیِ آخرت میں توبہ بھی بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کیونکہ بتقضائے بشریت گناہوں سے بچنا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ اب اگر یہ گناہ ہمارے ساتھ ہی بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئے تو ہوسکتا ہے کہ جہنم میں داخلے کا سبب بن جائیں۔ یہ اللہ عزوجل کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں توبہ کا راستہ بتا کر دوبارہ سنبھلنے کا موقع عطا فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے،

**''وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ۔اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔'' (ترجمۂ کنزالایمان۔پ۵۔نساء:۱۱۰)

## (7) صحبتِ نیک:۔

مذکورہ تمام امور کے باوجود اگر کوئی صحبتِ نیک کو باقاعدہ اختیار نہ کرے تو بہت جلد دوبارہ غفلت واخروی لحاظ سے بے پرواہی اسے اپنے گھیرے میں لے لے گی۔ چنانچہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ، ''اچھے اور برے مصاحب کی مثال مشک اٹھانے والے اور بھٹی جھونکنے والی جیسی ہے۔ کستوری اٹھانے والے تمہیں دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا تمہیں اس سے عمدہ خوشبو آئے گی۔ بھٹی جھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تمہیں اس سے ناگوار بو آئے گی۔'' (مسلم و بخاری)

## (8) نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا:۔

تمام تر نیک اعمال کے ساتھ ساتھ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا بھی لازم وضروری افعال میں سے ہے۔ یہ ایک ایسا ضروری عمل ہے کہ جس میں کوتاہی کے باعث پچھلی امتوں کو عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

**''فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ**